قد افلح من تزکی وذکر اسم ربه فصلی

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب
کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا۔

ماہنامہ
اگست 2010ء

المُرشِد

مَا عَمِلَ اٰدمِیٌّ عَمَلًا اَنْجٰی لَهٗ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ

اللہ کے ذکر سے بڑھ کر کسی آدمی کا کوئی عمل عذاب
قبر سے زیادہ نجات دینے والا نہیں ہے (الحدیث)

جو لوگ دین کو ہنسی مذاق اور کھیل
تماشا بنا لیتے ہیں اُن سے الگ ہو جاؤ

امیر محمد اکرم اعوان

بانی حضرت العلام مولانا اللہ یار خانؒ مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ
سرپرست حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

ماہنامہ
المرشد

اگست 2010ء شعبان / رمضان
جلد نمبر 31 | شمارہ نمبر 12
مدیر محمد اجمل
سرکولیشن منیجر: رانا جاوید احمد
قیمت فی شمارہ 25 روپے
PS/CPL#15

فہرست

اداریہ	ابوالاحمدین	3
کلامِ شیخ	سیماب اویسی	4
اقوالِ شیخ	انتخاب	5
دین کا مذاق اڑانے والوں کا ساتھ چھوڑ دو	امیر محمد اکرم اعوان	7
چکڑالہ کا ایک سفر	جمیل شاہ	15
اعتکاف...... عبادت کی قبولیت کی سند	امیر محمد اکرم اعوان	20
مکارم اخلاق کی تکمیل	فیض الرحمٰن	26
حق امانت اور علومِ معرفت	امیر محمد اکرم اعوان	29
سوال و جواب (رمضان المبارک)	امیر محمد اکرم اعوان	35
تصوف کی آفاقی قدریں	خالد مسعود خان	39
نیک لوگوں کی صحبت اتباع	امیر محمد اکرم اعوان	45
Etiquttes Annunciation and the Messengership		53
Hayat-e--Tayyebah		56

بدل اشتراک

پاکستان	250 روپے سالانہ
بھارت / سری لنکا / بنگلہ دیش	1200 روپے
مشرق وسطیٰ کے ممالک	100 ریال
برطانیہ۔یورپ	35 اسٹرلنگ پاؤنڈ
امریکہ	60 امریکن ڈالر
فارایسٹ اور کینیڈا	60 امریکی ڈالر

انتخاب جدید پریس لاہور 0423-6314365 ناشر۔ عبدالقدیر اعوان

سرکولیشن و رابطہ آفس: ماہنامہ المرشد 17 اویسیہ سوسائٹی، کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور۔
Ph:042-35182727, Fax: 042-35180381, email: monthlyalmurshed@gmail.com

مرکزی دفتر: دارالعرفان ڈاکخانہ نور پور ضلع چکوال۔
Ph: 0543-562200, Fax: 0543-562255, email: darulirfan@gmail.com

"قرآن حکیم کو اس نیت سے پڑھو کہ میرا پروردگار مجھ سے باتیں کر رہا ہے"۔

اچھوتے انداز اور منفرد طرز تحریر کی حامل

تفسیر قرآن حکیم اسرار التنزیل سے اقتباس

قیامِ امن کی تدبیر اور شہادت کی اہمیت

انصاف نہیں ہوگا تو حقدار کو اس کا حق نہیں پہنچے گا۔ اور نتیجہ فتنہ و فساد کے علاوہ کچھ نہیں ہوگا یعنی پورے نظام کو ہلا کر رکھ دے گی، سو فرمایا انصاف پر گواہی دو اور اللہ کے لئے دو یعنی صرف اس لئے نہیں کہ تم معاشرے میں اپنا بھرم رکھنے کو سچ بول رہے ہو یا کسی اور غرض سے بلکہ اللہ کے لئے سچ بولو، اس لئے سچ بولو کہ کل تمہیں ایک عدالت میں پیش ہونا ہے جو خود بھی اس واقعہ کی گواہ ہے تم بھی گواہ ہو۔ دیکھو کیا کہہ رہے ہو؟ یعنی قیام امن کے لئے ایمان شرط ہے ورنہ ایمان کے بغیر جو کوشش کی جاتی ہے سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ ذاتی مفاد سے بالاتر نہیں ہو سکتی، آدمی کوئی کام بغیر کسی نفع یا لالچ کے کر نہیں سکتا۔ اللہ کے ساتھ ایمان ہے تو اس کی خوشنودی کا لالچ کافی ہے۔ یہی امید سب کام کروا سکتی ہے لیکن اگر ایسا نہیں تو پھر کوئی غرض تو ہونی چاہیے اور ظاہر ہے وہ ذاتی مفاد یا شہرت واقتدار کے علاوہ کیا ہو سکتی ہے پھر ہر آدمی میں وہ خلوص کہاں سے آئے گا کہ پس دیوار یا زیر زمین بھی قانون کا احترام کرے آج کا مغربی معاشرہ اس بات پہ گواہ ہے کہ وہ اندرون ملک قیام امن اور انصاف کے تقاضے پورے کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے مگر کبھی امن قائم نہیں کر سکتے اس لئے کہ قانون انسان کی آنکھ سے دیکھتا ہے نافذ کرنے والے ادارے کے کان سے سنتا ہے اب وہ زیر زمین یا پس دیوار تو دیکھ نہیں سکتا اس لئے وہاں سب کچھ بلکہ بہت کچھ ہوتا ہے اور قانون کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ امریکہ جیسے ملک کے نیویارک شہر میں صرف قتل کی اوسط دو قتل فی منٹ ہے آپ گاڑی سے ذرا غافل ہوئے اور لوگ لے اُڑے، چند ڈالروں کے لئے آدمی کو گولی کا نشانہ بنا دیا جاتا ہے باوجود اس کے کہ امریکہ میں قانون منوانے کی اور قانون نافذ کرنے کی پوری کوشش کی جاتی ہے تو وجہ کیا ہے یہی کہ ظاہراً کوشش تو ہے، اللہ کے ساتھ ایمان نہیں ہے اس لئے نہ تو ظاہری کوششوں میں خلوص ہوتا ہے نہ دلوں میں خوف خدا یہ صرف ایمان کا نور ہے اور اللہ کی ذات کا یقین ہے جو پس دیوار بھی ساتھ ہے زیر زمین بھی ساتھ ہے حکومت کا کارندہ رعیت کا آدمی دیکھے نہ دیکھے اللہ تو دیکھ رہا ہے۔

ذہنی امراض کا بلند ہوتا ہوا گراف

حال ہی میں جاری کیے جانے والے ایک عالمی سروے کے نتائج کے مطابق 2020ء تک دماغی امراض تعداد میں دنیا کی دوسری بڑی مرض کے طور پر شمار ہوں گی۔ ماہرین نفسیات' خواہ ان کا تعلق کسی بھی مذہب یا نظریہ سے ہو' ان امراض کے محرکات میں مذہب سے دوری اور خاندانی ڈھانچے کی ٹوٹ پھوٹ کو سرفہرست قرار دیتے ہیں۔ یہ دونوں محرک جس شدت کے ساتھ مغربی معاشرے میں سرایت کر چکے ہیں' اسی قدر وہاں ذہنی امراض کا گراف بلند ہے۔ اس وقت نشہ آور اشیاء اور مسکن ادویات کا سب سے زیادہ استعمال امریکہ میں ہو رہا ہے۔

اطباء کے نزدیک دماغ کی عدم صحت ان امراض کی جڑ ہے اور وہ اپنے علاج کو دماغ تک ہی محدود رکھتے ہیں جبکہ دماغ تمام اعضائے بدن کو کنٹرول کرنے کے باوجود خود کسی اور کے تابع ہے چنانچہ مکمل علاج صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب دماغ کو کنٹرول کرنے والا مرکز بھی درست کام کرنے لگے جو دل ہے۔ جہاں تک اس دل کا تعلق ہے جو بدن کے اعضائے رئیسہ میں اہم ترین عضو ہے' جو گوشت کا ایک لوتھڑا ہے اور پورے بدن میں روانی خون کا ذریعہ ہے' تو اس کے افعال بھی دماغ ہی کے تابع ہیں لیکن ایک دل وہ بھی ہے جو مرضیات وخواہشات اور جذبات ومحسوسات کا سرچشمہ ہے اور قرآن اسے قلب کہتا ہے۔ چونکہ ماہرین نفسیات اس قلب کی ماہیت کو سمجھنے سے قاصر ہیں' تو ان کا علاج بھی مسکن ادویات اور ذہنی تھراپی کی صورت صرف دماغ تک ہی محدود ہے لیکن اللہ کریم نے ذہنی بے سکونی اور عدم اطمینان کا جو علاج بتایا' وہ ذکر الٰہی ہے:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ تَطْمَىٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىٕنُّ الْقُلُوْبُ ؕ

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے ان کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان پاتے ہیں' یاد رکھو اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ (الرعد۔28)

یہاں ذکر الٰہی کو اس مرض کے علاج میں وہ استخصاص حاصل ہے کہ کوئی اور دوا کارگر ہے نہ اس کی گنجائش باقی ہے۔ قلوب کا صحت مند ہونا بجز ذکر الٰہی ممکن ہی نہیں۔

ذکر الٰہی دوا بھی ہے اور غذا بھی۔ دوا سے مرض دور ہوگا تو غذا سے قوت وتوانائی حاصل ہوگی اور مرضیات باری تعالیٰ پر عمل کرنے کی صلاحیت میں اضافہ ہوگا۔ مریض کا تعلق خواہ کسی ملک سے ہو' کسی معاشرے یا قوم سے ہو' یہ علاج سب کے لئے ہے لیکن دوا استعمال کرنے سے پہلے ایک شرط ہے کہ طبیب پر یقین کامل ہو کہ اسی کو ایمان کہتے ہیں اور یہ علاج ہی اہل ایمان کے لئے ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ حضرت امیر المکرم کے مغربی ممالک کے دوروں میں یہ بات دیکھنے میں آئی کہ مریض کو ذکر الٰہی کا علاج بتایا گیا تو غیر مسلم ہونے کے باوجود ایمان بھی نصیب ہوا اور شفا بھی۔

ہر وہ شخص جو صاحب ایمان ہے' جو صرف خون پمپ کرنے والا دل ہی نہیں' قلب بھی رکھتا ہے اور محسوس کرتا ہے کہ وہ کسی نہ کسی حد تک عدم اطمینان کا شکار ہے' ذکر الٰہی اس کا علاج ہے۔ ہم سب مریض ہیں اور اس علاج کے محتاج!

ابوالاحمدین

کلامِ شیخ

سیماب اویسی

امیر محمد اکرم اعوان' سیماب اویسی کے قلمی نام سے شاعری کرتے ہیں۔ آپ کے کلام کے مندرجہ ذیل مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

گردِ سفر	نشانِ منزل
کون سی ایسی بات ہوئی ہے	سوچ سمندر
متاعِ فقیر	آس جزیرہ
دیدۂ تر	

آپ کی شاعری کیا ہے؟

فرماتے ہیں

"میری شاعری میری کیفیات اور میرے جذبات کے اظہار کے علاوہ کچھ نہیں۔ یہ اشعار کیسے ہیں؟ ان کا معیار کیا ہے بلکہ یوں کہیے کہ یہ اشعار ہیں یا نہیں' اس کی مجھے خبر نہیں' اس لئے کہ میں نے یہ فن سیکھا ہے اور نہ اس کے اسرار و رموز۔ میں نے بہت سیکھا یا کم' سب کچھ محض اپنے عظیم شیخ کی توجہ اور نگاہ کا حاصل ہے۔

اگر ان اشعار میں واقعی کوئی کمال نظر آئے تو یہ اللہ کی عطا اور شیخ المکرم کا فیضِ نظر ہے اور اس کے سارے سقم کی ذمہ داری میری کمزوریوں کا نتیجہ ہے۔

اللہ کرے میں جو چاہتا ہوں وہ کہہ سکا ہوں اور جو کہہ گیا ہوں وہ کسی کی سمجھ میں آسکے تو میں نے اپنا مقصد حاصل کر لیا کہ بندہ صرف بات پہنچا سکتا ہے باقی سب توفیقیں اللہ کو ہیں۔"

آرزو

گل بداماں تھے کبھی جو دہر میں
چھن گیا اس قوم سے رنگِ بہار
بے قراری ہے دلِ مسلم میں آج
جس نے بخشا تھا جہاں بھر کو قرار
ہے رواں اغیار کی راہوں پہ یہ
راہ سے بھٹکا ہے اس کا راہوار
کوئی تو راہوں کو اب روشن کرے
اس کی خاکستر میں ہیں شعلے ہزار
کوئی ہو جو تھام لے طوفان میں
اس بھٹکنے والے ناقہ کی مہار
غیر کے در کی گدائی سے بھلی
غیر کے ہاتھوں اگر مل جائے دار
اپنی راہوں سے جو بھٹکیں بدنصیب
ان کے چلنے کا بھلا کیا اعتبار
کاش کوئی خاک بطحا لا کے دے
قوم کے چہرے کو دیں پھر سے نکھار
ہو جبیں روشن خدا کے نور سے
ہو بحال اقوام میں اپنا وقار
اپنے حصے کا تو کر جاؤ فقیر
تم نہ آؤ گے جہاں میں بار بار

اقوالِ شیخ

مرشد حقیقی کی صفات دو قسم کی ہیں۔ایک لازم اور دوسری متعدی۔ لازم یہ ہے کہ دین کا ضروری علم رکھتا ہو۔ دین کے احکام پر عمل کرتا ہو۔ سنت کا پابند ہو۔ متعدی یہ ہے کہ دوسروں کو دین سکھانے اور ان کی عملی اصلاح کرنے کا سلیقہ اسے آتا ہو۔

بہر حال دین اس رشتے کا نام ہے جو امتی کو حضور اکرم ﷺ سے نصیب ہوتا ہے۔ وہ رشتہ جتنا ستھرا جتنا کھرا ہوگا اسی قدر اطاعت نصیب ہوگی۔

اندھیروں سے، تاریکیوں سے، روشنی کی طرف، جہالت سے علم کی طرف، نامحرمی سے معرفت کی طرف اور بے عملی سے عمل صالح کی طرف، جب سفر شروع ہو جائے تو اسے فیض کہا جاتا ہے۔

اسلام بڑا سیدھا سادہ مذہب ہے کہ بندے کو اللہ کے روبرو کر دیتا ہے رب جانے اور اس کا بندہ جانے۔

دین ہے ہی نبی کریم ﷺ سے قلبی تعلق کا نام۔ جتنی اس میں پختگی آئے گی اتنی ہی ایمان میں مضبوطی نصیب ہوتی چلی جائے گی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو تم میں سے عاجز ہو راتوں کو محنت کرنے سے اور بخل کی وجہ سے مال بھی نہ خرچ کیا جاتا ہو (یعنی نفلی صدقات) اور بزدلی کی وجہ سے جہاد میں بھی شرکت نہ کر سکتا ہو اس کو چاہیے کہ اللہ کا ذکر کثرت سے کیا کرے (الحدیث)

طریقہ ذکر

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ

مکمل یکسوئی اور توجہ کے ساتھ ہر سانس کی آمد و رفت پر اس طرح گرفت ہو کہ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھو" کی چوٹ قلب پر لگے۔ دوسرے لطیفے کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھو" کی چوٹ دوسرے لطیفے پر لگے۔ اسی طرح تیسرے چوتھے اور پانچویں لطیفہ کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھو" کی چوٹ اس لطیفہ پر لگے جو کیا جا رہا ہو۔

چھٹے لطیفہ کو کرنے کا طریقہ

ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھو" کا شعلہ پیشانی سے نکلے۔

ساتویں لطیفہ کو کرنے کا طریقہ

ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھو" کا شعلہ پورے بدن کے ایک ایک مسام اور خلیہ سے باہر نکلے۔

ساتویں لطیفہ کے بعد پھر پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ سب سے پہلے بیان ہوا ہے۔ ذکر کے دوران سانس تیزی اور قوت سے لیا جائے اور ساتھ ہی جسم کی حرکت جو سانس کے تیز عمل کے ساتھ خود بخود شروع ہو جاتی ہے۔ پورا خیال رہے کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو۔ توجہ قلب پر مرکوز اور ذکر کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے۔

رابطہ: ساتوں لطائف کے بعد رابطہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے۔ ساتویں لطیفہ کے بعد پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے اور پھر رابطہ کے لئے سانس کی رفتار کو طبعی انداز پر لا کر ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" قلب کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھو" کی چوٹ عرش عظیم سے جا ٹکرائے۔

دین کا مذاق اڑانے والوں کا ساتھ چھوڑ دو

اکرم التفاسیر
امیر محمد اکرم اعوان دارالعرفان چکوال
28-05-2010

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ

وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْھُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِہٖ ؕ وَاِمَّا یُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾ وَمَا عَلَی الَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِھِمْ مِّنْ شَیْءٍ وَّلٰکِنْ ذِکْرٰی لَعَلَّھُمْ یَتَّقُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَذَرِ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَھُمْ لَعِبًا وَّلَھْوًا وَّغَرَّتْھُمُ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا وَذَکِّرْ بِہٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا کَسَبَتْ ۖ لَیْسَ لَھَا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلِیٌّ وَّلَا شَفِیْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ کُلَّ عَدْلٍ لَّا یُؤْخَذْ مِنْھَا ؕ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا کَسَبُوْا ۚ لَھُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِیْمٌۢ بِمَا کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ (سورۃ الانعام رکوع 8 آیات 68 تا 70)

ترجمہ: ان آیات مبارکہ کا جن کی تلاوت کی سعادت نصیب ہوئی ہے ان کا بامحاورہ ترجمہ عرض کئے دیتا ہوں۔ ''اے مخاطب جب تو ایسے لوگوں کو دیکھے جو اللہ کی آیات کا مذاق اڑا رہے ہوں تو ان سے علیحدہ ہو جا' تب تک ان کے قریب نہ جا' جب تک کہ وہ کسی دوسری بات میں مصروف نہ ہو جائیں اور کبھی غلطی سے بھول جاؤ اگر احساس نہ ہو یا شیطان یہ بات بھلا دے کہ یہ غلط کر رہے ہیں اور پھر یاد آ جائے کہ یہاں نہیں بیٹھنا چاہیے تو وہاں سے الگ ہو جاؤ ان کے پاس نہ بیٹھو جو لوگ اللہ جل شانہٗ سے معاملہ درست رکھتے ہیں ان پر ان کی جواب دہی نہیں ہے وہ اپنے کام کے خود ذمہ دار ہیں لیکن اللہ کریم نصیحت فرماتے ہیں تاکہ لوگ اللہ سے معاملات درست رکھیں اور جو لوگ دین کو ہنسی مذاق اور کھیل تماشا بنا لیتے ہیں ان سے الگ ہو جاؤ انہیں دنیاوی زندگی نے دیوانہ کر رکھا ہے اور انہیں نصیحت کرتے رہیئے تاکہ لوگ اپنے کردار کی وجہ سے مصیبت میں نہ پھنس جائیں کیونکہ ان کے لئے اللہ کے علاوہ نہ کوئی دوست ہے نہ سفارش کرنے والا''۔ لَیْسَ لَھَا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلِیٌّ وَّلَا شَفِیْعٌ ۚ آدمی اگر صحیح بات کرتا رہے تو بدنصیب لوگوں کو اس سے بھی کچھ پلے نہیں پڑتا یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے کردار کا نتیجہ بھگت رہے ہیں ان کے لئے جہنم کا گرم پانی ہوگا اور دردناک عذاب۔ اس لئے کہ وہ کفر کرتے ہیں۔

بڑے خوبصورت اور پیارے انداز میں قرآن حکیم نے ایک عجیب بات بتائی ہے جو ہمارے معاشرے کی روزمرہ کی مصروفیات کا حصہ ہے۔ دنیا میں بنیادی طور پر قومیں دو ہی ہیں مومن یا کافر، مومن سب ایک ہیں مومنوں میں کوئی اقسام نہیں ہیں شاید کوئی زیادہ نیک ہوگا کوئی اس سے کم درجے کا ہوگا۔ درجات میں تفاوت ہوسکتا

ہے لیکن ایمان سب کا ایک ہے کفر کی بے شمار قسمیں ہیں فرمایا اَلکُفرُ مِلَّۃٌ وَّاحِدَۃ۔ کفر ایک ہی ملت ہے لیکن ان کے کفر الگ الگ قسم کے ہیں کوئی بت پوجتا ہے کوئی ستارے پوجتا ہے کوئی آگ پوجتا ہے کوئی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا مذاق نہیں اُڑاتا صرف انکار کرتا ہے کوئی دین کا مذاق بھی اڑاتا ہے۔ یوں کفر کی الگ الگ قسمیں ہیں جن میں مختلف لوگ ہیں ورنہ انسانوں کی قسمیں صرف تین ہیں۔ مومن، کافر اور منافق۔ منافقین وہ ہیں جو بظاہر دعویٰ اسلام کا کرتے ہیں لیکن ان کے دل میں دین نہیں ہے۔ دنیاوی مفاد کیلئے اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں کفر کی ایک قسم الحاد اور زندقہ ہے۔ زندیق اور مُلحد۔ خود کو مسلمان کہتے ہیں لیکن انہیں نہ اسلام سے سروکار ہے نہ کفر سے سروکار ہے۔ وہ اپنی دنیا کیلئے جیسا موسم دیکھتے ہیں ویسا رنگ بدلتے رہتے ہیں۔ انہیں پتہ ہوتا ہے کہ یہ حق ہے لیکن ان کا دل قبول نہیں کرتا۔ یہ لوگ دنیاوی مفادات کے پیچھے بھاگتے رہتے ہیں اور بدلتے رہتے ہیں تو مومن اور کافر کے تعلقات کی تعیین قرآن کریم نے بھی کی ہے۔ حدیث شریف نے بھی کی ہے اور علماء نے بھی اس کی بہت تفصیل بیان کی ہے، صریح کافر جو ہے اس کے ساتھ کوئی ایسا تعلق جس سے دین پر حرف آتا ہو وہ جائز نہیں ہے کافر سے معاملہ کرنا جائز ہے اس کو چیزیں بیچنا اس سے چیزیں خریدنا جائز ہے معاشرتی طور پر امن سے رہنا کہ وہ پڑوس میں ہے تو اس کا خیال رکھنا وہ بیمار ہے تو اس کی مدد کرنا وہ غریب ہے تو اس کی مدد کرنا یہ ساری باتیں جائز ہیں لیکن یہ اس کیلئے ہے جو واقعی کافر ہے لیکن یہ جو زندیق اور مُلحد ہیں جو خود کو مسلمان کہتے ہیں لیکن دین کا مذاق اڑاتے ہیں خود کو مسلمان کہتے ہیں لیکن اپنی نبوت کا دعویٰ کر دیتے ہیں جیسے قادیانی یا اور اس طرح کے دوسرے مدعیان نبوت یہ مُلحد اور زندیق ہیں۔ مُلحدین اور زندیق جو لوگ ہیں ان کے ساتھ کسی طرح کا معاملہ کرنا جائز نہیں یہ لوگ شرعاً واجب القتل ہیں لیکن ان کو میں اور آپ قتل نہیں کر سکتے یہ اسلامی حکومت کا کام ہے کہ ان پر قتل کی سزا جاری کرے یا تو تائب ہو جائیں یا قتل کر دیئے جائیں یہ فریضہ اسلامی ریاست کا ہے۔ میرا یا آپ کا نہیں۔ اصول یہ ہوتا ہے کہ جیسے ایک آدمی نے ہمارے سامنے قتل کر دیا ہم دیکھ رہے ہیں اور جانتے ہیں کہ قاتل کی سزا تو موت ہے لیکن یہ سزا عدالت دے سکتی ہے ہم دیکھ رہے ہیں تو ہم شہادت دے سکتے ہیں کہ اس شخص نے ہمارے سامنے قتل کیا ہے" اگر ہم اسے قتل کر دیں گے تو اگرچہ وہ شخص واجب القتل ہے لیکن پھر ہم قاتل ٹھہریں گے کیونکہ ہمارے پاس اسے قتل کرنے کی اتھارٹی نہیں ہے۔ عدالت اسے سزائے موت دے گی تو جج کو کوئی قاتل نہیں کہے گا کیونکہ وہ قانون کے مطابق شہادتیں لے کر اسے سزائے موت دے گا اور یہی معاملہ اُن ملحد اور زندیقوں کا ہے کہ حکومت کا فریضہ ہے حکومتی عدالتوں کا فریضہ ہے ریاست اسلامی کا فریضہ ہے کہ زندیق اور ملحد جو لوگ دعویٰ اسلام کا کریں اور عقائد خود سے گھڑ لیں اور کفریہ عقائد کی اشاعت بھی کریں تو وہ واجب القتل ہیں لیکن انہیں قتل کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ ہمارے لئے کیا حکم ہے؟ قرآن کریم فرماتا ہے کہ ایسے لوگ جو اللہ کی آیات کا مذاق اڑاتے ہیں ان کے ساتھ کسی بھی طرح کا معاملہ کرنا حرام ہے۔ مذاق اڑانا کئی طرح سے ہے کلمہ پڑھنے کا دعویٰ کرنے کے بعد انکار کر دینا بھی مذاق ہے۔ اس کے اظہار کے لئے مثلاً ایسے جملے بولنا کہ "بھلا یہ بھی کوئی بات ہے، ہم نہیں مانتے"، "یہ بات ماننے والی ہے ہی نہیں"، "ایسا کیسے ہوگا؟" پہلے منکرین بھی اسی طرح حشر کا انکار کرتے تھے کہ مر گئے تو مٹی کھا گئی تو کون دوبارہ زندہ کرے گا؟ ہڈیاں بھی گل سڑ گئیں۔ یہ کیسے ہوگا؟ مذاق اُڑانے کی ایک اور صورت یہ ہے کہ آیات کا مفہوم بدل کر کفر کو حق ثابت کیا جائے۔ یاد رکھیں! جس طرح قرآن کریم اللہ کا ذاتی کلام ہے اور وحی الٰہی ہے اسی طرح وحی

الٰہی کا انسانوں میں سے سننے والا صرف اللہ کا رسول ﷺ ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام وحی کی آواز وصول کرتے تھے آپ کے ساتھ جو خادم ہوتے تھے انہوں نے کبھی وحی کی آواز نہیں سنی نہ انہوں نے آیت پڑھی صرف حضور اکرم ﷺ کے بتانے سے جانا وحی کا کوئی دوسرا گواہ نہیں ہے، بجز اللہ کے۔ حضور اکرم ﷺ کی نبوت بعثت سے لے کر قیامت تک ہے اور ساری انسانیت کے لئے ہے۔ آپ ﷺ اصدق الصادقین ہیں۔ آپ ﷺ کی بات سو فیصد درست ہے اس میں کوئی اگر 0001. پرسنٹ بھی شک کرے گا تو کافر ہو جائے گا اور جب آیات نازل ہوتی تھیں تو عرب کے بڑے بڑے زبان دان حضور اکرم ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے لیکن کوئی بھی اپنی زبان دانی سے وحی کا مفہوم نہیں سمجھتا تھا صرف حضور اکرم ﷺ کے بتانے پر سمجھتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ کی سیرۃ پاک میں کتنی جگہ یہ ملتا ہے کہ کوئی آیۃ کریمہ نازل ہوئی اور حضور اکرم ﷺ نے وہ آیۃ کریمہ صحابہ کرامؓ کو سنائی اور ان سے پوچھا اس کا معنی کیا ہے؟ تو صحابہ کرامؓ نے عرض کی۔ اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ اللہ اور اس کے رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں، ہم اس کا معنی خود متعین نہیں کریں گے جو آپ ﷺ فرمائیں گے وہی معنی ہے۔ چنانچہ حدیث شریف بھی وحی الٰہی ہے اور قرآن کی بہترین تفسیر ہے۔ قرآن حکیم آپ ﷺ کے بارے بتاتا ہے وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ (سورۃ النجم) میرا حبیب ﷺ اپنی پسند سے بات نہیں کرتا بلکہ وہ بات بھی آپ ﷺ پر وحی کی جاتی ہے یعنی قرآن کا مفہوم اور اس کی تفسیر بھی اللہ نے بذریعہ وحی بتائی تو قرآنی مفہوم متعین ہو گئے کہ یہ آیۃ کریمہ کب اُتری، کس موقعہ پر اُتری، شانِ نزول کیا تھا؟ کس وجہ سے نازل ہوئی اور حضور اکرم ﷺ نے اس کا کیا مفہوم متعین کیا؟ صحابہ کرامؓ نے اس مفہوم کے مطابق حضور اکرم ﷺ کے سامنے اس پر عمل کیا اور حضور اکرم ﷺ نے اس کی تصدیق فرمائی۔ اب یہ تو ہو گئی قرآن کی تفسیر و تعبیر۔ اس سے ہٹ کر کوئی اپنے پاس سے معنی پہناتا ہے دنیا کمانے کے لئے دولت کمانے کے لئے کرتا ہے تو یہ بھی مذاق اڑانے والی بات ہے۔ اب قادیانیوں کے اس کذاب نبی کو دیکھیں تو اس نے بے شمار آیات پڑھ کران کا مفہوم اپنے اوپر منطبق کر لیا اور جو آیات شانِ رسالت ﷺ میں نازل ہوئیں تو اس کذاب نے کہا یہ میرے لئے نازل ہوئی ہیں۔ تو یہ بھی مذاق اڑانے کی انتہائی بدترین صورت ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ ایسے لوگوں سے کسی طرح کا کوئی معاملہ نہ کریں ان سے چیزیں خریدنا، ان کو بیچنا، ان کے پاس بیٹھنا، ان سے بات چیت کرنا سب حرام ہے۔ رشتہ داری کرنا تو بہت دور کی بات ہے کیونکہ یہ اس طرح کے کافر ہیں جنہوں نے دین کی توہین کی اس کو مذاق بنا دیا بلکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہاں کوئی مخلص مسلمان بیٹھا ہے وہ بات نہیں کر رہا خود کہہ کچھ نہیں رہا وہ مذاق اڑا رہے ہیں یا قرآن پاک کے غلط معنی کر رہے ہیں تو فرمایا کہ وہاں سے اٹھ جاؤ گویا ایسے گفتگو سننا حرام ہے، کہنے والا تو کافر ہو جاتا ہے سننے والا کافر نہیں ہے۔ مومن ہے مخلص ہے لیکن ان کی خرافات سن رہا ہے تو سننا بھی حرام ہے۔ جس طرح یہود کے بارے اللہ کریم نے فرمایا سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ (سورۃ المائدہ آیت 42) کہ ان پر جو عذاب آتے رہے ان کا سبب ان کا کردار تھا کہ وہ جھوٹ سنتے اور حرام کھاتے تھے۔ جن کی وجہ سے انہیں بندر اور خنزیر بنا دیا گیا کبھی ان پر ہوا کا عذاب آیا کبھی پانی کا، کبھی غرق کئے گئے ان پر مصیبتیں اس لئے آئیں ایک تو یہ حرام کھاتے تھے اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ حرام سے گریز نہیں کرتے تھے حصول دولت کے لئے حلال حرام کی پرواہ نہیں کرتے تھے اور دوسری سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ جھوٹ سنتے تھے یہ نہیں فرمایا کہ جھوٹ بولتے تھے۔ جھوٹ سنتے تھے گویا جھوٹ کا اور برائی کا سننا بھی باعث عذاب بن جاتا ہے۔ یہ بہت بری چیز

ہے۔ تو فرمایا جو لوگ کتاب الٰہی کا مذاق اڑائیں ان کے پاس مت بیٹھو اور اگر کبھی شیطان یہ بات بھلا دے اور تمہیں خیال نہ آئے کہ یہ کیا بک رہے ہیں تو جیسے ہی خیال آئے کہ یہ غلط باتیں کر رہے ہیں تو اس وقت الگ ہو جاؤ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ اگر شیطان نے آپ کو بات بھلا دی کسی اور خیال میں بیٹھے تھے خیال نہیں کیا کسی اور طرف توجہ ہو گئی شیطان نے کہیں اور الجھا دیا اور سمجھ نہیں آئی تو جیسے ہی احساس ہو وہاں سے الگ ہو جاؤ اس لئے کہ جو لوگ اللہ سے معاملہ درست رکھتے ہیں اللہ کے نافرمانوں کا حساب ان سے نہیں لیا جائے گا لیکن اس کے لئے یہ شرط بھی ہے کہ ایسے اللہ والے ایسے گستاخوں سے الگ رہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ اللہ کریم ہمیں معاف فرمائے ہمارے سامنے اس طرح کی جرأت اور بے باکی کیوں ہوتی ہے پورے ملک میں ایک شور اٹھا ہوا ہے کہ مغرب کے کچھ لوگوں نے نبی کریم ﷺ کی توہین کی ہے، کوئی خاکے جاری کیے ہیں، اللہ پناہ دے نہ دیکھے ہیں نہ اللہ دکھائے۔ تو اس پہ احتجاج تو ہو رہا ہے، بہت اچھی بات ہے تمام عالم اسلام کو احتجاج کرنا چاہیے بلکہ صرف احتجاج ہی اتنا مفید نہیں جس ملک نے یہ کیا ہے اس سے بائیکاٹ کرنا چاہیے، اس سے چیزیں خریدنا چھوڑ دیں اس کی اشیاء لینا چھوڑ دیں اس سے تعلق ختم کر لیں لیکن یہ جاننا چاہیے کہ لوگ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ ہندوؤں نے بندروں کو جانوروں کو، گائے کو، ہاتھیوں کو، سانپوں کو معبود بنا رکھا ہے۔ کبھی آپ نے سنا ان کا کسی نے مذاق اڑایا ہو۔ ہمارے رسول ﷺ تو ہمارے معبود نہیں ہیں ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور اللہ کے پیارے رسول ﷺ ہیں لیکن ہندوؤں نے تو بندروں، سانپوں کو معبود بنا رکھا ہے ان کی عبادت کرتے ہیں پوجا کرتے ہیں ان کا مذاق کیوں نہیں اڑایا جاتا۔ ہمارے نبی پاک ﷺ کی شان میں گستاخی کیوں کی جاتی ہے؟ اس لئے کہ پہلے گستاخی ہم کرتے ہیں۔ ہم نے اتنی شرم بھی نہیں رکھی جتنی ہندو بتوں کی رکھتا ہے ہماری زندگی سے حضور اکرم ﷺ کی سنت خارج ہو گئی۔ ہم نے زندگی اپنی پسند سے جینا شروع کر دی ہے بلکہ ہمارے ٹی وی پر ترانے گونج رہے ہوتے ہیں "اپنی پسند سے جی لے زندگی" "جی لے زندگی اپنی پسند سے" مومن کی زندگی کے بارے قرآن کہتا ہے اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ (سورۃ التوبہ آیت 111) مومن کی تو جان و مال بک گئی جب اس نے کلمہ پڑھ لیا کہ اللہ نے اسے جنت عطا کرنی ہے اب جو کچھ اللہ نے اسے یہاں دیا ہے وہ تو اس نے اللہ کو واپس کر دیا لیکن دنیا میں اسے مال خرچ کرنا ہے تو وہ اپنی مرضی نہیں کرے گا بلکہ جہاں اللہ نے خرچ کرنے کی اجازت دی ہے وہاں خرچ کرے گا دولت کمائے گا لیکن جس طرح اللہ نے کمانے کی اجازت دی ہے۔ دوستی کرے گا لیکن جن سے دوستی کرنے کی اجازت اللہ نے دی ہے۔ دشمنی کرے گا جن سے دشمنی کرنے کا حکم اللہ نے دیا ہے۔ اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکتا۔ یہی تقاضائے ایمان ہے۔ ہماری مصیبت یہ ہے کہ وہ علامہ مرحوم نے کہا تھا

وضع میں تم ہو نصاریٰ تمدن میں ہنود
اور یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

کہ تمہارا لباس اور شکل شباہت تو نصرانیوں جیسی ہے اور تمہارے رواجات اور رسوم اور زندگی جو ہے اس کا انداز ہندوؤں جیسا ہے۔ اور تم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہو حالانکہ کردار میں تم یہودیوں سے بھی گر چکے ہو۔ تو لوگوں کو جرأت کیوں ہوتی ہے نبی ﷺ کی توہین کرنے کی؟ اس کی اصل وجہ ہماری بے حمیتی ہے ہمارا کردار ہے، ہمارا حلیہ ہے اور ہماری گفتگو سن کر ہمیں دیکھ کر وہ کہتے ہیں ان کا نبی ﷺ سے کیا تعلق! جیسے قصاب جب جانور کو ذبح کرتا ہے تو اس کی کھال اتارنے سے پہلے چھری سے اس کے گلے

مجنے ٹھنگورتا ہے، کہ اگر جان باقی ہے تو کھال نہ اتارے اسی طرح یہ جو توہین رسالت کرتے ہیں یہ ہمارے جسد سے روح کے مجنے ٹھنگورتے ہیں کیونکہ ہم زندہ نہیں ہیں۔ ایک مردہ ہوئے جانور کی طرح پڑے ہیں ہم مرے ہوئے پڑے ہیں ہمارا تعلق نبی کریم ﷺ سے انتہائی کمزور ہو چکا ہے۔ نبی ﷺ نے اس حد تک احتیاط کا حکم دیا ہے کہ بات سچی ہو بات حدیث شریف کی ہو حضور اکرم ﷺ کی فرمائی ہوئی ہو لیکن وہ بات کسی ایسے بندے کے سامنے نہ کرو جو اپنی ناسمجھی کے باعث بات سمجھ نہ سکے اور کہے یہ جھوٹ ہے۔ فرمایا ''لوگوں سے ان کی عقلوں کے موافق بات کرو'' لوگوں میں جو عقلی استعداد ہے اس کے مطابق ان سے بات کرو ان کی عقل سے زیادہ بات نہ کرو کیونکہ وہ کہیں گے یہ جھوٹ ہے۔ وہ جھوٹ تو نہیں ہوگا وہ حق ہوگا تو فرمایا تم میں سے مجھے کوئی جھوٹا نہ کہے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہمارے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہماری جانیں آپ ﷺ پر فدا، ہم آپ ﷺ کو جھوٹا کہیں گے؟ فرمایا کسی کے سامنے ایسی بات کرو گے کہ بات میری ہوگی، سچ ہوگی اور وہ سمجھ نہیں سکے گا، اپنی کم عقلی کی وجہ سے کہہ دے گا یہ جھوٹ ہے تو پھر مجھے جھوٹا تم نے کہا اور ساتھ وعید ہے فرمایا: ''جس نے جان بوجھ کر میری ذات پر جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں تلاش کرے'' آج دنیا میں ہم دیکھتے بھی ہیں ہمارا تجربہ بھی ہے کوئی چاہے تو خود تجربہ کرلے کسی بچے کو، کسی بڑے کو، کسی آدمی کو، کسی مزاج کے لوگوں میں بٹھا دیں کچھ عرصے بعد دیکھیں اس کی اس کام یا شغل میں دلچسپی پیدا ہو جائے گی۔ کچھ لوگ تاش کھیلتے ہیں اس کے پاس کسی کو بٹھا دیں دو دن بیٹھے گا دس دن یا مہینہ بیٹھے گا پھر وہ بھی کھیلنا شروع کر دے گا۔ کوئی کبوتر بازی میں مبتلا ہے کبوتر اڑاتا ہے اس کے پاس آپ کسی کو مہینہ ڈیڑھ چھوڑیں تو اسے بھی وہ عادت پڑ جائے گی۔ انسان، انسانوں سے اثر لیتے ہیں۔ اسی لئے علمائے کرام فرماتے ہیں کہ وعظ کہنے کے لئے بھی بے دین لوگوں میں جانا فرض ہے لیکن ان لوگوں کے لئے جو بے دینوں میں جا کر اپنا دین ضائع نہ کر بیٹھیں، جو کسی بے دین کی اصلاح کر سکیں اور ان کے اپنے بگڑنے کا اندیشہ نہ ہو اور جس کے بگڑنے کا اندیشہ ہو اسے دینی کام کرنے کے لئے بے دینوں میں مت بھیجیں تو یہ آج کل کا دور جو ہے یہ تو ہے ہی ایسا۔ ہمارے ایک وفاقی وزیر ہیں ماشاء اللہ اب بھی ہیں اور ان کے والد ایک صوبے کے وزیر اعلیٰ رہے تھے ان کی اہلیہ محترمہ مشیر ہیں، وزیر اعظم صاحب کی۔ وہ خود وفاقی وزیر ہیں تو اگلے دن کابینہ کی میٹنگ شروع ہوئی تو وزیر اعظم نے انہیں کہا کہ قرآن شریف پڑھو۔ اب انہوں نے اٹھ کر قل شریف پڑھ دیا لیکن قل شریف غلط پڑھا۔ حالانکہ قل شریف قرآن کی ایک چھوٹی سے ایسی سورۃ ہے جو ہر ان پڑھ جاہل چرواہے، کاشتکار نے بھی یاد کی ہوتی ہے اور اکثر نماز میں بھی پڑھتا ہے بلکہ ہمارے ان پڑھ طبقے کی اکثریت کا خیال ہے کہ یہ ہے ہی نماز کا حصہ، ہر رکعت میں قل شریف پڑھنا چاہیے۔ لیکن وفاقی وزیر کو نہیں آتی اور مزے کی بات یہ کہ میں نے تو خبروں میں سنا ٹی وی والوں نے یہ پروگرام Live نشر کیا پھر اسے ٹیلی فون کیا اور اس سے بات کی کہ یہ کہتے ہیں آپ نے قل شریف غلط پڑھا۔ آپ کو آتا ہے؟ اس نے کہا آتا ہے انہوں نے کہا سنا دیں، اس نے سنایا تو پھر غلط پڑھا۔ انہوں نے کہا پھر سنا دیں اس نے سنایا پھر غلط پڑھا انہوں نے کہا ایک دفعہ پھر سنا دیں اس نے پھر سنایا پھر غلط پڑھا۔ تمام ناظرین نے دیکھا سنا۔ یہ تو میں نے بھی سنا تھا اس ٹی وی پروگرام میں ایک مولانا بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ پروگرام میزبان نے ان سے پوچھا کہ ملک صاحب نے قل شریف پڑھا ہے۔ مولانا فرمانے لگے جو کچھ انہوں نے پڑھا ہے یہ قرآن میں تو نہیں ہے کہیں اور سے پڑھا ہے۔ اب جس ملک میں حال یہ ہو کہ سربراہ جو ہیں وہ قل شریف بھی نہ پڑھ سکیں تو عام آدمی کس سے شکایت

کریں؟ کس سے شکوہ کریں؟ لیکن ہر بندے کو اپنی قبر میں جانا ہے۔زندگی، موت کی طرف رواں دواں ہے، نہیں رکتی، مسلسل چل رہی ہے اور یہ یاد رکھو کہ زندگی موت کی طرف چل رہی ہے۔ جن بچوں کی ہم بڑی دھوم دھام سے سالگرہ مناتے ہیں اس وقت ہم یہ بھول جاتے ہیں اس بچے کی زندگی میں سے ایک سال کم ہوگیا۔ ہم خوشیاں تو منا لیتے ہیں کہ بچہ جوان ہوگیا یہ بھول جاتے ہیں کہ اگر اس کی زندگی پچاس سال کی ہے اور یہ اٹھارہ سال کا ہوگیا ہے تو اس کی زندگی کے پچاس سالوں میں سے اٹھارہ سال کم ہوگئے ہیں۔ وہ موت کے ایک سال اور قریب ہوگیا ہے پھر جشن منانے کی کیا تک ہے۔ توبہ کرنے کا مقام ہے۔ اپنی اصلاح کرنے کا مقام ہے کیونکہ زندگی کی سند تو کسی کے پاس بھی نہیں ہے کہ کب موت آجائے۔ سانس لی ہے، پوری لے سکتا ہے یا آدھے میں موت آجائے گی۔ اگر سانس اندر لے لی ہے تو کیا وہ اسے چھوڑ سکتا ہے یا زندگی ختم ہوجائے گی کیونکہ موت کی تلوار ہمہ وقت سر پر لٹک رہی ہے۔

تو فرمایا: اپنے کردار، اپنے گفتار میں بھی ان لوگوں کا ساتھ دو جو تمہیں اللہ کی یاد دلائیں۔ نبی کریم ﷺ کی خدمت عالی میں یہ سوال پیش کیا گیا جس کا مفہوم ہے کہ یارسول اللہ ﷺ آپ تو سورج ہیں نور بکھیرنے والا، روشنیاں بکھیرنے والا، جب کوئی مسئلہ پیدا ہوتا ہے یا تھوڑی فرصت ملتی ہے تو ہم کوشش کرتے ہیں کہ مسجد نبوی ﷺ پہنچیں آپ ﷺ کی قربت میں صحبت میں پہنچ جائیں لیکن جب آپ ﷺ دنیا سے پردہ فرما جائیں گے پھر کیا ہوگا؟ لوگ کس کے پاس جائیں؟ کس کے پاس بیٹھیں؟ پھر وقت گزرے گا پھر خلفائے راشدین، صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین یہ لوگ چلتے چلے جائیں گے۔ نسل در نسل انسانیت آگے بڑھتی جائے گی۔ یہ دنیا تو آباد رہے گی۔ آپ ﷺ کی نبوت بھی رہے گی۔ قرآن بھی ہوگا۔ تو پھر کس کے پاس جا کر بیٹھیں؟ کہاں اپنے مسائل کا حل ڈھونڈیں؟ کہاں اپنی بات کریں؟ تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا آپ ﷺ کے ارشاد کا ترجمہ ہے ''ایسے لوگوں کے پاس بیٹھو جن کے پاس بیٹھ کر اللہ کی یاد آئے'' پھر اس کام کے لئے وہ لوگ ہوں گے ایسے لوگوں کے پاس جا کر بیٹھو جہاں بیٹھ کر کوئی اللہ کی بات سنائے یا جسے دیکھ کر اللہ یاد آئے یا جس کے پاس بیٹھ کر اللہ کی یاد آئے۔ ایسے لوگوں کی مجلس ضروری اختیار کرلو۔ اور جو اللہ اور آخرت کو بھلا دینے والے ہوں ان سے اجتناب کرو۔ ان سے الگ رہو اور جو لوگ اللہ کی اطاعت کرتے ہیں ان پر کفار کا عذاب تو نہیں انہیں ڈرنے کی کیا ضرورت جو کرتا ہے وہ خود بھرے گا۔ فرمایا:

وَذَرِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَعِبًا وَلَهْوًا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا

یہاں دو باتیں ارشاد فرمائیں کہ جو لوگ دنیا کے لالچ، دنیا کی عیش و عشرت دنیا کی لذات میں اتنے کھو گئے ہیں کہ وہ دین کا مذاق اڑاتے ہیں اور دنیاوی زندگی پر اتنے مغرور رہیں اپنے عہدوں پر اپنی دولت پر، اپنی امارت پر اتنے مغرور ہیں کہ انہیں اپنی آخرت کی فکر ہی نہیں ہے۔ فرمایا: ان کا ساتھ چھوڑ دیں ان کے ساتھ نہ رہیں کیونکہ انہیں دنیا کی زندگی نے مغرور کردیا ہے دھوکا دیا ہے وہ سمجھتے ہیں ہماری حکومت ہمیشہ رہے گی ہمیشہ دولت مند رہیں گے انہیں یہ بھول گیا ہے شاید کفن بھی، قبر بھی نصیب ہوگی کہ نہیں کفن بھی نصیب ہوگا یا نہیں اور ہماری تو رسومات ایسے ہیں وہی ہندوؤں والی رسومات ہیں بندہ مرجائے تو ایسے اس کی اپنی جائیداد سے کوئی کفن بھی نہیں دیتا، کہتے ہیں کہ ددھیال دیں گے ننھیال دیں گے۔ ساری عمر جو کماتا رہا اس میں سے کفن بھی نہیں بن سکتا۔ گھر سے کوئی کفن دینے کو بھی تیار نہیں ہوتا یہ رسومات بن گئی ہیں دین چلا گیا اور رسومات آگئیں تو فرمایا: وَ ذَكِّرْ بِهٖ کنارہ کش ہوجائیں کہ انہوں نے دین کو رسومات کی نذر کردیا ہے لیکن ایک بات ہے انہیں نصیحت کرتے رہیے۔ بے دینوں سے تعلق نہ رکھو۔ لیکن جو بات کرو اس

میں نصیحت ہو، بھلائی ہو۔ شاید ان میں سے بھی کسی کو توبہ نصیب ہوجائے۔ دیکھیں بندے کا کردار دیکھیں اور اللہ کا کرم دیکھیں۔ فرماتا ہے ان سے تعلق نہ رکھو ان سے بات نہ کرو۔ ان کے پاس نہ بیٹھو لیکن اگر موقعہ ملے ان سے اچھی بات کہتے رہو اگر ان میں سے بھی کوئی توبہ کرلے تو میری رحمت اس کو بھی بڑھ کر تھام لے گی کتنی وسیع رحمت ہے اللہ کی اور کتنا بڑا کرم ہے اللہ کا اور ایک ہم ہیں۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے۔ جس کا مفہوم ہے کہ ساری زندگی میں کسی کی ایک تسبیح قبول ہوگئی تو اس کی نجات کے لئے کافی ہے اب ہم نماز کے لئے نیت باندھتے ہیں وہ بھی تسبیحات ہیں جو نماز میں پڑھتے ہیں، وہ بھی تسبیحات ہیں جو رکوع میں پڑھتے ہیں، سجدے میں بھی تسبیحات پڑھتے ہیں یعنی ہر بندہ الحمدللہ، سبحان اللہ پڑھتا ہے۔ ہماری زندگی گزر گئی مدت ہوئی اللہ نے نماز ادا کرنے کی توفیق عطا کی نمازیں پڑھنے تلاوت کرنے۔ قرآن کریم تسبیحات سے بھرا پڑا ہے پھر بھی ہمیں اعتبار کیوں نہیں آتا کہ میری نجات ہوجائے گی ہم میں سے کتنے لوگ ہیں جنہیں یہ اعتماد ہو کہ انشاء اللہ میری نجات ہوجائے گی۔ اس بے یقینی کی وجہ ہماری اپنی کمزوری ہے اور وہ یہ ہے کہ جب پیسے کی بات ہوتی ہے تو ہم بڑے دل سے سنتے ہیں، جب کسی سے دوستی، دشمنی کی بات ہوتی ہے تو بڑے دل سے غور کرتے ہیں۔ کوئی دوست ہو تو اس کی بھلائی کیلئے یا جب دشمنی ہو تو اس کے نقصان کے لئے ہم بڑے خلوص سے آمادہ ہوتے ہیں لیکن جب اللہ کی عبادت کا کام آتا ہے تو ہم رسمی طور پر ٹوٹل پورا کرتے ہیں کہ بعد میں دیکھا جائے گا۔ قبر میں دیکھیں گے فی الحال ٹوٹل تو پورا کرو۔ پانچ نمازیں تو پوری کرو۔ کاش! یہ بھی دل سے پڑھیں تو کیوں نہ پتہ ہو کہ نجات ہوگی۔ جب اللہ کا وعدہ ہے رسول اللہ ﷺ کا وعدہ ہے تو کیوں نہ نجات ہوگی؟ وعدہ برحق ہے یہ نہیں کہ اللہ کی رحمت پر یقین نہیں ہے یہ نہیں کہ نبی کریم ﷺ کی سفارش پر یقین نہیں ہے بات یہ ہے کہ اپنے کرتوتوں پر یقین نہیں ہے ہم دنیا کے کام تو بڑے خلوص سے کرتے ہیں اور دین کے کام بڑے واجبی طور پر کرتے ہیں رسمی طور پر کرتے ہیں تو اس رسم کو حقیقت بنائیں دل میں اللہ کی یاد کو بسایئے دلوں کو، سینوں کو روشن کیجئے ایک ایک تسبیح تہہ دل سے نکلے اور فرمایا نصیحت کرتے رہو **وَذَكِّرْ بِهِ أَن تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ** اس لئے کہ سوائے اللہ کے نہ کوئی کسی کا دوست ہے نہ سفارشی۔ جب عذاب واقع ہوگا **وَإِن تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا** ساری دنیا کی دولت، ساری دنیا کی نعمتیں ایک بندے کے پاس جمع ہوجائیں اور جب بندہ کہے کہ معاوضے میں یہ ساری دولت میں دیتا ہوں کوئی بندہ معاوضہ دے کر دولت دے کر جائیداد دے کر سونا چاندی دے کر زمین جائیداد دے کر اپنی جان نہیں چھڑا سکے گا وہاں انصاف ہوگا اور لوگ اپنے کردار کے بدلے گرفت میں آجائیں گے۔ اللہ نے زندگی کی صورت میں مہلت دی تھوڑی سی مہلت ہے۔ وقتی عارضی بات ہے، انسان کا مزاج یہی ہے میں اتنا سوچتا ہوں میری سمجھ میں نہیں آتا میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جو دم مرگ ہیں، مر رہے ہیں۔ دنیا سے جانے کی تیاری ہے تھوڑی سی جائیداد یا مکان ہے۔ کوئی کروڑوں، اربوں کی نہیں ہے لیکن جو قاعدہ ہے شریعت کا کہ یہ اس طرح تقسیم ہوجائے گی اس پر یہ مطمئن نہیں ہیں کہتے ہیں اچھا یہ مکان ہے یہ فلاں بندے کے نام لگا دو یہ پیسے فلاں بندے کو دے دو جو میرے حساب میں ہیں۔ یہ جو میری زمین ہے فلاں کو دے دو۔ خدا کے بندے تو تو مر رہا ہے قبر میں جا رہا ہے اللہ کا عطا کردہ جو قانون وراثت ہے اس کے مطابق سب وارثین کو مل جائے گا تجھے قبر میں کیا تکلیف ہے کہ کس کو کیا مل رہا ہے۔ کس کو زمین، کس کو مکان؟ تو تو چھوڑ کر چلا جائے گا لیکن دنیا کے معاملے ہمارے دل میں اتنے گہرے اترے ہوئے ہیں کہ ہم کہتے ہیں ہم قبر میں بھی چلے جائیں گے تو میری جائیداد

فلاں کو نہ ملے اور فلاں کو مل جائے۔ خدا کے لئے تو قبر میں جا رہا ہے تو قبر میں جاتے ہوئے تو دین کے خلاف کام کر کے جانا چاہتا ہے جس کو اللہ نے جتنا حصہ مقرر کیا ہے مل جائے گا تجھے کیا؟ کہ کسی کو ملے یا کوئی سارا لوٹ لے جائے۔

دنیا ہمارے دلوں میں اتنی دھنسی ہوئی ہے کہ لب گور بھی دنیا کے کاموں میں دلچسپی کر لیں۔ یہ خیال نہیں ہوتا کہ اس وقت تو خلوص سے اللہ اللہ کر لیں۔ جو آیات یاد ہیں ان کی تلاوت کر لیں درود شریف پڑھ لیں، کسی کو کہیں کہ ہمیں نبی کریم ﷺ کی باتیں سناؤ۔ اس وقت تو دنیا کا دھیان چھوڑ دیں جب کہ اسے چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ قبر میں اب اس کو کیا کریں گے۔ یہ کسی ایک بندے کی کہانی نہیں ہے یہ میری اور آپ کی ہم سب کی کہانی ہے یہ دنیا ہمارے دلوں میں اتنی دھنسی ہوئی ہے کہ مرتے ہوئے بھی ہم اس کی فکر کر رہے ہیں دین کے ساتھ ہمارا تعلق واجبی سا ہے جیسے گلے پڑ گیا۔ مسلمانوں کے گھر پیدا ہوئے، مسلمان ہیں چلو نماز پڑھ لی، رہ گئی رہ گئی، کوئی نہیں پھر پڑھ لیں گے، نہ پڑھیں گے ایک نماز کا کیا ہے، قرآن کریم ہم پڑھ جاتے ہیں ہمیں پتہ ہی نہیں چلتا کہ کتنا پڑھا، مزے کی بات یہ ہے کہ ہم پڑھ رہے ہوتے ہیں آپ دنیا کی کوئی کتاب لے لیں ہم کوئی کتاب پڑھ رہے ہوتے ہیں طب کی ہو، ریاضی کی ہو یا کہانیوں کی ہو۔ کسی کے ہاتھ سے کتاب لے کر بند کر دیتے ہیں پھر اسے کتاب واپس کر دیتے ہیں وہ وہاں سے کھولے گا جہاں سے اس نے چھوڑی تھی۔ کسی تلاوت کرتے ہوئے شخص سے قرآن مجید لے کر بند کر دیں پھر پوچھیں کہاں پڑھ رہے تھے اب پڑھو، عجیب بات ہے اسے پتہ ہی نہیں ہوگا کبھی خود تلاوت کرتے کرتے قرآن مجید بند کر دو پھر دیکھو کہ تم کون سی آیت پڑھ رہے تھے۔ یہ دین کے ساتھ ہمارا برتاؤ ہے، ایسا کیوں ہے؟ پھر دنیا میں اتنی دلچسپی ہے کہانیاں، افسانے، ناول یہ ہمیں پتہ ہے جھوٹ ہے کسی نے فرضی کہانی لکھی ہے ہمیں پتہ ہے جھوٹ ہے ٹی وی پر کوئی فلم دیکھ رہا ہے بجلی چلی گئی تو بند ہو گئی دوسرے دن اسے پوچھو تو یاد ہوگا کہ فلاں جگہ یہ کام ہو رہا تھا تو بجلی چلی گئی اسے یاد ہوگا لیکن کوئی تلاوت کر رہا ہے بجلی چلی گئی کوئی بہت اچھا بندہ ہوگا جسے سپارہ تو یاد رہ جائے گا آیت یاد نہیں ہوگی کہ میں نے کہاں چھوڑی اتنی غیر دلچسپی سے ہم دین کا کام کیوں کرتے ہیں تو فرمایا پتہ اس دن چلے گا جب یہ گستاخ پکڑے جائیں گے۔ اپنے کردار کے سبب ان کے لئے جہنم کا پانی تک کھولتا ہوا ہوگا اور بڑے دردناک عذاب ہوں گے یعنی اللہ کی رحمت اتنی ہے کہ وہ فرماتا ہے زندگی ختم ہونے سے پہلے جتنے ظلم کر چکے ہو توبہ کر لو۔ میری رحمت کے سائے میں آ جاؤ میں تمہیں بخش دوں گا فرمایا ان سے بات نہ کرو ان کے پاس نہ بیٹھو لیکن نصیحت کرتے رہو۔ ہوسکتا ہے کہ ان میں سے کوئی توبہ کر لے میں اسے بخش دوں کتنی رحمت ہے اور ہم جو نصیحت کرنے والے بندے ہیں ہمیں خود ہی یاد نہیں ہم کیا کر رہے ہیں ہماری اپنی دلچسپی دین میں اتنی نہیں جتنی دنیا میں ہے اللہ ہمیں معاف کرے۔ تو فرمایا اللہ کی ناشکری، دین کا مذاق اور کفر بہت بڑی مصیبت ہے اور جب یہ اس میں پھنسیں گے تو ان کو خود بھی پتہ چل جائے گا اور دوسروں کو بھی اندازہ ہو جائے گا اللہ کریم ان گستاخیوں سے اپنی پناہ میں رکھے ہمیں توبہ کی توفیق دے ہمارے دلوں کو روشن رکھے اور صدق دل سے اپنی اور اپنے نبی کریم ﷺ کی اطاعت نصیب فرمائے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

دعائے مغفرت

سلسلہ کے ساتھی محمد لطیف عباسی (واہ کینٹ) قضائے الٰہی سے فوت ہو گئے۔
سلسلہ کے ساتھی محمد ابراہیم (کراچی) کی اہلیہ محترمہ وفات پا گئیں۔
ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

چکڑالہ کا ایک سفر

جمیل شاہ ایبٹ آباد

غالباً 1980 میں راولپنڈی سے ایک قافلہ جس میں تین فوجی افسران اور جنگ اخبار کے کالم نویس ریاض احمد اشرفی حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں چکڑالہ ضلع میانوالی حاضر ہوئے۔ بندہ کو بھی خادم کی حیثیت سے ایک سیٹ مل گئی۔اس قافلہ کی روانگی کا سبب ریاض احمد اشرفی بنے۔راستے میں فرمانے لگے میں نے مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے بارہ سال مسلسل ظاہری و باطنی علوم حاصل کئے اور ان کی اکثر کتابوں کا بغور مطالعہ کیا ہے۔میرے ذہن میں چند شکوک ہیں۔میں نے اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد تلاش بسیار کی مگر میری تشفی نہ ہوئی۔میں چونکہ پہلے سے بیعت شدہ ہوں لہذا بیعت کے لئے مجھے مجبور نہ کیا جائے۔عصر کے وقت حضرت کے گھر پر حاضری ہوئی۔حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ چند ساتھیوں سے محو گفتگو تھے ہم نے بھی غنیمت جانا اور علمی محفل میں شرکت نصیب ہوگئی۔سب سے پہلے گڑ کی چائے سے میزبانی کی گئی اس کے بعد سوالات و جوابات کا سلسلہ شروع ہوگیا۔پہلا سوال یہ تھا کہ شریعت و طریقت کے بارے میں رہنمائی فرمائیں؟

حضرت فرمانے لگے۔شریعت نام ہے کل اور مجموعہ احکام کا۔سارے کے سارے احکام جو ہیں ان سب کو شریعت کہا جاتا ہے خواہ ان احکام کا تعلق امور باطنہ سے ہو یا امور ظاہرہ سے ہو۔علماء متقدمین اور تمام صوفیاء اس بات پر متفق ہیں کہ ''شریعت'' لفظ ''فقہ'' کے مترادف ہے۔چونکہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ کی تعریف ہی یہ کی ہے۔مَعْرِفَۃُ النَّفْسِ مَالَھَا وَمَا عَلَیْھَا (نفس کی پہچان جو اس کے نفع کی چیز ہے یا نقصان کی چیز ہے) اس لئے مجموعہ احکام ظاہری اور باطنی اعمال بھی سارے کے سارے اس میں آگئے۔متاخرین علماء نے اس کی تقسیم یوں کی ہے احکام ظاہری پر انہوں نے فقہ کا اطلاع کر دیا اور جن امور کا تعلق باطن سے ہے ان پر تصوف کا اطلاق کر دیا۔اسلام سے باہر تو کوئی چیز نہیں۔یہی شریعت ہے اور یہی حقیقت ہے، یہی سب کچھ ہے اس کو شریعت کہتے ہیں۔طریقت ان وسائل، ذرائع اور طرق کا نام ہے جن کے ذریعہ سے احکام ظاہری یا احکام باطنی حاصل کئے جائیں۔مثلاً درس و تدریس پڑھنا پڑھانا تصنیف کرنا، تبلیغ کرنا، کسی سے پوچھ لینا، یہ سارے راستے اور ذرائع ہیں احکام شریعت تک پہنچنے کے۔انہیں طریقت کہا جاتا ہے، طریقت کہتے ہی رستے کو ہیں یعنی اس راہ پر چل کر کسی چیز کو حاصل کرنا، انسان ہمیشہ کسی مقصد کے لئے حرکت کرتا ہے، اسی لئے باطنی امور یعنی تصوف میں لطائف و مراقبات کرنا وغیرہ۔

اصل تصوف رضائے الٰہی کا نام ہے اللہ کی رضا حاصل کی جائے، اللہ کی محبت حاصل کی جائے، اس کی رضا کس امر میں ہے اور وہ ناراض کس بات میں ہوتا ہے، اسی کو تصوف کہتے ہیں۔تصوف اس کو نہیں کہتے کہ کوئی چیزیں دیکھ لے یا کشف ہوگیا الہام ہوگیا تو

آدمی یہ سمجھنے لگے کہ میں صوفی ہوگیا میں تو کوئی بڑی چیز بن گیا۔ نہیں بلکہ تصوف کی حقیقت یہ ہے کہ رضائے الٰہی حاصل کی جائے۔ یہ دیکھنا کہ اللہ کی محبت کس طرح حاصل ہو اللہ کی رضا کس چیز میں ہے۔ محترم! اللہ کی رضا اس کی عبادت میں اور حضرت محمد ﷺ کی اتباع میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۱﴾ (سورۃ ال عمران آیت 31) اگر آپ اللہ کے محبوب بنا چاہتے ہیں تو میرا اتباع کریں۔ اور یہی طریقت ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں اہلسنت کا مدار شریعت اور طریقت پر ہے انہی دونوں باتوں کو موقع ریاست اور بزرگی کا جانتے ہیں۔ اس عبادت سے معلوم ہوا کہ منکرین تصوف اہل سنت والجماعت میں داخل نہیں۔ اہل سنت اور صوفیائے محققین نے تصوف اور عقیدہ تصوف کو کتاب وسنت سے وراثتاً پایا ہے۔ اس میں سلف سے خلف تک یکسانی کے ساتھ متفق رہے ہیں۔ یہ صوفیائے کرام کا اجتماعی مسلک ہے۔ اسلامی عقائد فقہی جزئیات اعمال اخلاق اور عبادات اسلام کا قالب ہیں مگر اس کا قلب اور روح اخلاص واحسان یعنی تصوف ہے۔ مولوی علم ہے اور صوفی عمل ہے۔ مولوی قالب ہے صوفی قلب ہے۔ مولوی جو چیز خواب میں دیکھتا ہے صوفی عالم بیداری میں بذریعہ کشف دیکھتا ہے۔ اس لئے صوفی کو ایک طرح کی ملائکہ سے مشابہت ہے۔ علماء کرام کا کہنا ہے کہ ظاہر شریعت پر عمل کر لینا کافی ہے۔ میں کہتا ہوں تزکیہ باطن کے بغیر شریعت پر کماحقہ عمل ہو ہی نہیں سکتا۔ عالم ظاہر بین نور بصیرت سے محروم ہیں۔ یہ دولت انبیاء علیہم السلام کے ہاں سے صحیح ورثاء علمائے ربانیین اور صوفیائے کرام کو ملی۔ مگر فی زمانہ جو سب سے بڑی مصیبت ہے وہ یہ کہ علم اٹھتا جا رہا ہے اور علماء ختم ہو رہے ہیں۔ خصوصاً یہ فن تصوف اس کا علم تو بالکل ہی کمیاب ہو رہا ہے اور لوگ اپنی جہالت اور دوں ہمتی کی وجہ سے انکار میں مبتلا ہیں حالانکہ کتاب اللہ پر اگر نگاہ کی جائے تو اول تا آخر ایک قدر مشترک نظر آتی ہے۔ یعنی اس کی ساری تعلیمات دنیا سے چھڑا کر متوجہ الی اللہ کرتی ہیں۔ مگر بدنصیبی یہ ہے کہ اسی شے کا انکار کیا جا رہا ہے۔ اصل مصیبت یہ ہے کہ لوگوں سے یہ علم اٹھ گیا ہے جہالت کی بنا پر انکار کئے دیتے ہیں۔

اس انکار کرنے والوں کے مقابل ایک اور گروہ ہے جو "رنگ نما" اور رنگ فروش ہے۔ دعویٰ کرتے ہیں مگر افسوس کہ عملاً کچھ نہیں کہہ پاتے۔ رنگ ساز نہیں ہیں۔ مولانا! عوام کا یہ حال ہے کہ بیچارے رہبر اور رہزن میں تمیز سے عاری ہیں یہ دوا فروش اور طبیب کے فرق کو نہیں جانتے اور مریض کے لئے معالج کے پاس جانے کے سوا چارہ نہیں اور آج کل تو دل تقریباً سارے ہی مریض اور مختلف بیماریوں کا شکار ہیں۔ اِلّا ماشاء اللہ۔ تصوف میں تین مدارج ہیں۔ پہلا درجہ ذکر لسانی کا ہے۔ زبان سے ذکر کرے اللہ اللہ کرے۔ سبحان اللہ لا الہ الا اللہ۔ درود واستغفار پڑھے، مختلف وظائف پڑھے یہ ایسا درجہ ہے کہ جیسے ادویات کو کوٹا چھانا جاتا ہے یہ استعمال کی تیاری ہے اگر یہیں بس کر دے تو شفا کا حصول محال ہے۔ اس سے آگے ذکر قلبی اور لطائف ہیں یہ دوسرا درجہ ہے جب لطائف کرنے لگا تو گویا دوا کا استعمال شروع ہوگیا۔ اب جیسے جیسے دوا کھاتا جائے گا اس میں صلاحیت آتی جائے گی اور جب صحت ہوگی تو چلے پھرے گا گویا منازل سلوک میں سیر شروع ہو جائے گی۔ اب اس دوا کے ساتھ مضر اغذیہ سے پرہیز بھی حصول صحت کی شرائط میں سے ہے کہ جن گھروں میں اللہ کا ذکر ہو انہیں غیر پسندیدہ چیزوں سے پاک رکھا جائے۔ اتباع شریعت کے ساتھ اجتناب عَنِ المعاصی کا اہتمام ہو۔ تخلیہ ہو شور وغل سے ہٹ کر تمام تر توجہ اللہ کی طرف لگائے آقائے نامدار ﷺ تخلیہ کے لئے غار حرا میں تشریف

لے جاتے تھے۔ سو یہ سنت انبیاء ہے جہاں ذکر کیا جائے وہ جگہ پاک وصاف ہو۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو جب شرف ہمکلامی سے نوازا گیا تو فرمایا گیا۔ ترجمہ: ''کہ آپ ایک پاک وصاف جگہ پر ہیں جوتے اتار دیں''۔ جس قدر انقطاع عن الدنیا حاصل ہوگا اسی قدر دل کی توجہ کامل ہوگی یہی توجہ اور ذکر الٰہی دل سے انوار کے فوارے نکالیں گے۔ تجلیات باری تعالیٰ کا یہ آب مصفّٰی ایسے ہی دل سے نکلے گا جو صاف ستھرا اور خلائق دنیا سے خالی ہوگا۔ پھر اس کی برکات کا اندازہ نہیں کہ یہ ایک عالم کے دلوں کو دھو ڈالے۔ اور جو بھی اس سے اپنا دل روشن کرنا چاہے گا یہ منور کرتا چلا جائے گا۔ انہی قلوب کی نگاہ کام کرے گی جو منور ہوں گے اسی کو اصطلاح میں کشف کہا جاتا ہے۔

ایک دوسرے سوال کے جواب میں کہ کیا کشف کافر کو بھی ہوجاتا ہے ہندو جوگی اس قسم کے دعوے کرتے رہتے ہیں۔ فرمایا: میری تحقیق یہ ہے کہ کشف کا تعلق نور ایمان سے ہے جسے یہ حاصل نہ ہو اس پر کشف کا دروازہ نہیں کھل سکتا۔ کشف سے مراد عالم بالا، ارواح اور فرشتوں کا نظر آنا عالم برزخ اور آخرت کے حقائق کو دیکھ لینا ہے یعنی کوئی ایسی چیز جو مشینی قوت سے دیکھی جاسکتی ہے، بغیر مشین کے دیکھ لینا، جیسے دوسرے شہروں کی خبر موسمی حالات وغیرہ۔ اور اس کو منور کرنے اور قائم رکھنے کے لئے اعمال صالحہ کی ضرورت ہے۔ کہ نور ایمان استعداد کو پیدا کرتا ہے اور اس میں کمالات اعمال صالحہ کی وجہ سے آتے ہیں۔ جیسے آنکھوں کے ڈھیلے اپنے اندر ایک نور رکھتے ہیں جو نظر کا سبب ہے۔ یا جیسے لاؤڈ سپیکر کہ پس پردہ کوئی بولنے والا بھی ہے جو خود نہیں بول رہا اسی طرح محض قلب نہیں دیکھ سکتا بلکہ اعمال صالحہ کا نور، نور ایمانی سے مل کر قوت اور کمال کو پیدا کرتا ہے اور قلب کو بینائی عطا کرتا ہے اور کافر کے پاس نہ نور ایمانی ہے اور نہ اعمال کا نور۔ رہی بات ان لوگوں کی جو باوجود کافر ہونے کے بعض عجیب باتیں بیان کرتے ہیں تو یہ لوگ محض بھوک پیاس اور کڑی مشقت سے جسم کو کمزور کرتے ہیں جس سے خون میں کمی آجاتی ہے اور دل میں سفیدی ہوجاتی ہے اب اس میں وہ چیزیں جو دنیا میں دیکھے جانے کے قابل ہیں دور سے بھی منعکس ہونے لگتی ہیں۔ اگر آپ تجربہ کرنا چاہیں تو کلیجہ کا ایک ٹکڑا لے کر دھوپ میں رکھ دیں چند دیر بعد وہ شیشے کی طرح چمک حاصل کرے گا اور اس میں سے منہ نظر آنے لگ جائے گا یا خود آئینہ انہی اوصاف کا حامل ہے۔ مگر شیشے میں جنات فرشتے اور ارواح نہیں دیکھی جاسکتیں اسی طرح عذاب وثواب قبر جنت ودوزخ نظر نہیں آسکتے۔ اسی طرح کوئی لطیف شے جس کا عکس نہ ہو نظر نہ آئے گی۔ یہی مثال کافر کے دل کی ہے کہ سفیدی تو پیدا ہوسکتی ہے چمک تو آسکتی ہے مگر کسی لطیف شے کو نہیں دیکھ سکتی۔ لوگ اس چمک پر بھول گئے اور کہنے لگے کافر کو بھی کشف ہوتا ہے یہ مغالطہ بہت عام ہوچکا ہے۔ یہ سب غلط ہے۔ اس کے لئے قلب سلیم کی ضرورت ہے اور قلب سلیم صرف مومن کا حصہ ہے۔

ہمارے سلسلہ میں بفضلہٖ تعالیٰ سینکڑوں صاحب حال، صاحب کشف موجود ہیں۔ جو ارواح اور ملائکہ سے کلام کی اہلیت رکھتے ہیں۔ جو عذاب وثواب اور برزخ کو دیکھ سکتے ہیں مگر اس سب کے لئے اتباع سنت کی ضرورت ہے اور اس دین میں بھی جو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو سکھایا کہ دین کے امین اور ستون ہیں۔ انبیاء کے بعد جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے اور جہاں غروب ہوتا ہے وہاں تک کوئی ان کے رتبے کو نہیں پاسکتا۔

سوال: اگر پیر فوت ہوجائے تو کیا دوسری جگہ بیعت جائز ہے۔

جواب ملا: خدا کے بندو پہلے اتنا غور کرو کہ بیعت بجائے خود مقصد نہیں بلکہ ایک مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے مقصد صرف اللہ کی رضا ہے اور بیعت ذریعہ ہے تاکہ ایک کامل کی شاگردی اختیار کرکے

یکسو ہو کر تعلیم حاصل کرتا رہے اور ترقی کرتا چلا جائے۔ اگر پیر کے فوت ہو جانے پر کوئی دوسرا اُستاد تلاش نہ کرے گا تو ظاہر ہے کہ اول تو اپنا نقصان کرے گا اور اس سے بڑا نقصان یہ ہے کہ اس کے پیش نظر رضائے الٰہی کا حصول نہیں بلکہ شخصیت پرستی کا شکار ہے۔

اگر ایمان عزیز ہو اور اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنا مقصود ہو تو معقولیت کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی کسی معالج روحانی کو تلاش کرے کیونکہ روحانی طبیب کے بغیر صحت اور تزکیہ باطن اور تعلق مع اللہ پیدا ہونا محال ہے۔ اسلامی تصوف و سلوک محض شجرہ خوانی ٹوپی اوڑھنے خرقہ پہننے لمبی تسبیح ہاتھ میں رکھنے، عرس منانے، قوالی سننے وجد و تواجد اور ناچنے کودنے سے حاصل نہیں ہوتا، بلکہ اس کے حصول کیلئے اتباع شریعت لازمی ہے جس کا بنیادی تقاضا یہ ہے توحید کا عقیدہ دل میں راسخ ہو۔ اور اتباع سنت نبوی ﷺ اس کامل درجہ کا ہو کہ اس میں بدعات کا مطلق دخل نہ ہو۔ شرک و بدعت کی ہوا بھی مانع فیض ہے۔

مولانا ریاض صاحب راستے میں ایک کاغذ پر سوالات کا پلندہ تیار کر رہے تھے مگر سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان کے سوال کرنے سے پہلے ہی جواب مل رہا تھا بڑی مشکل سے چند سوالات کر سکے۔ اگلا سوال یہ تھا کہ ذکر و اذکار کے لئے کسی ولی کامل کی بیعت ضروری ہے۔ فرمایا محض ذکر کے لئے کسی شیخ کی ضرورت نہیں۔ اذکار مسنونہ بہت ہیں بے شک پڑھا کرے اور ذکر کیا کرے مگر حصول معرفت کیلئے طالب کو شیخ کی ضرورت ہے اور منازل سلوک بغیر شیخ کی رہنمائی کے کوئی نہیں پا سکتا بلکہ یہ ضرورت ایسی ہے جیسے کسی اندھے کو رہنمائی کی کیونکہ اس راہ میں بے شمار سخت گھاٹیاں ہیں جن میں سے کسی میں بھی گرنا سخت ہلاکت اور تباہی کا سبب ہے اور سالک خود تو اس راہ سے آشنا نہیں اس لئے ضروری ہے کہ آگاہ راز اس کی رہنمائی کرے اور نشیب و فراز سے بچاتا ہوا نکال لے جائے

اور شیخ کا اتباع کامل طور پر کرے جیسے مردہ بدست زندہ جیسے اندھا جو پہاڑ کی چوٹی پر چل رہا ہو وہ کبھی رہنما کے نقش قدم سے ہٹنے کی سوچ بھی نہیں سکتا کہ اس میں اس کی بربادی اور ہلاکت ہے۔ منازل سلوک میں انسان کتنی بھی بلندی پر چلا جائے ربط شیخ ہی اس کی اساس و بنیاد ہے جیسے پتنگ کتنی بھی بلندی پر چلی جائے ڈور اس کی ضروری ہے اگر یہ رشتہ ٹوٹ جائے تو وہ اڑنے کی جگہ بتدریج گرنا شروع ہو جائے گی۔ اور بالآخر درختوں اور جھاڑیوں میں الجھ کر برباد ہو جائے گی۔ طالب کی مثال ایک بیمار کی سی ہے جو دوا اور غذا وغیرہ کے معاملہ میں ڈاکٹر کے تابع ہے۔ ڈاکٹر ہی جان سکتا ہے کہ اس کی دوا کیا ہے اور کس شے سے پرہیز اس کی صحت کے لئے ضروری ہے تو بالکل اس مریض کی طرح جو صحت کی طلب میں تلخ دوائیں پیتا اور مرغوب غذاؤں سے پرہیز کیا کرتا ہے ایسے ہی طالب کو شیخ کی اطاعت ضروری ہے مگر مولانا! ہر کسی کو شیخ بھی نہیں بنایا جا سکتا لوگ جُہلا کے پیچھے چل کر تباہ ہو رہے ہیں۔ یاد رکھیں! شیخ کے لئے عالم ہونا ضروری ہے۔ جاہل کی بیعت حرام ہے۔ ہاں! یہ ضروری نہیں کہ مروجہ نصاب تعلیم پڑھا ہوا ہو۔ صحابہ کرامؓ اور اکثر تابعین کتب پڑھے ہوئے نہ تھے۔ بلکہ ارشادات نبوی ﷺ کے جاننے والے تھے جو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا انہوں نے ازبر کر لیا۔ اسی طرح اگر کوئی اردو پڑھ کر ہی مسائل سیکھ لے یا سن کر ہی یاد کرے کوئی بھی صورت ہو ضروریات دین سے واقف ہونا ضروری ہے اور یہی مسلک اہل سنت والجماعت کا ہے اور صرف عالم کا ہونا ہی شرط نہیں بلکہ علم کے ساتھ متبع شریعت ہو۔ فرائض واجبات اور سنت مطہرہ کا پابند ہو اگر نوافل نہ پڑھتا ہو کم از کم فرائض و سنت کو تو ترک نہ کرتا ہو اگرچہ نوافل ضروری نہیں مگر شیخ کو چاہیے کہ ضرور پڑھے کہ اس سے قلب کی نگہداشت بھی ہوتی ہے اور قرب الٰہی کا سبب بھی ہیں۔ سب سے ضروری ہے کہ فن سلوک کا ماہر بھی ہو۔ ممکن ہے کوئی

طالب شیخ سے زیادہ متقی ہو مگر جس علم کا وہ طالب ہے اس میں شیخ کا ماہر ہونا ضروری ہے۔

مولانا صاحب سوالات کی تشفی ہوتے ہی عرض کرنے لگے ہم آئے تو تھے چند سوالات کے جوابات حاصل کرنے لیکن اب تو کسی سوال کی گنجائش ہی نہیں رہی۔ مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی محفلوں میں بارہ سال گزار کر جس راہبر کی تلاش تھی آج اللہ نے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (سورۃ العنکبوت آیت 69) (ترجمہ: جو لوگ ہماری تلاش میں رہتے ہیں ہم ان کیلئے راستے ہموار کر دیتے ہیں) کا مصداق بنا کر اس در پر پہنچا دیا۔ حضرت مجھے اپنے دست اقدس پر بیعت فرما دیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نہایت شفقت سے ہاتھ بڑھائے اور سلسلہ عالیہ میں بیعت کا شرف بخشا تو حضرت گویا ہوئے مولانا صاحب میں کوئی گدی نشین پیر نہیں ہوں اور نہ ہی یہ لوگ میرے مرید ہیں۔ میں تو صرف استاد ہوں اور یہ سارے میرے شاگرد ہیں۔ اللہ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے بہت بڑی زمین دی ہے اس میں گندم چنے وغیرہ اتنے ہو جاتے ہیں کہ ساتھی سارا سال آتے رہتے ہیں اور میرے گھر والے اور پڑوسی بچیاں کھانا تیار کرتی رہتی ہیں۔ ساتھی اگر کوئی کھانے وغیرہ کی چیز لے آئیں تو وہ بھی اس لنگر میں ڈال دی جاتی ہے ورنہ ساتھیوں کو سختی سے منع کیا جاتا ہے کہ تحفے تحائف ہرگز نہ لائیں۔ اللہ کے فضل و کرم سے کسی چیز کی کمی نہیں ہوتی وہ سامنے دیوار پر میری واسکٹ لٹک رہی ہے جب بھی گھر والوں کو گھریلو استعمال کے لئے پیسے ضرورت پڑتے ہیں تو اس میں سے نکال لیتے ہیں یہ اللہ اللہ کرنے کی برکت ہے کہ روزی کی تنگی سے اللہ آزاد فرما دیتے ہیں۔ مولانا صاحب کہنے لگے کہ میرے دل میں یہ شک گزرا کہ شاید ساتھی یا جنات کچھ شکرانے ڈال دیتے ہوں ابھی میرے شکوک دل ہی دل میں تھے کہ حضرت فرمانے لگے اللہ کے رسول ﷺ نے روزی کمانے کے چار معروف ذرائع بتائے ہیں۔ نمبر 1 زراعت، 2 مزدوری، 3 تجارت، 4 ملازمت، اِن کے روزی حاصل کرنا حرام ہو جاتی ہے۔ یہاں تو عجیب بات ہے کہ ساتھی دور دراز سے آتے ہیں ابھی کل پشاور سے ایک ساتھی تشریف لائے رات کو قیام کیا اور صبح جاتے وقت کہنے لگے حضرت واپسی کا کرایہ میرے پاس نہیں ہے تو یہ ساتھی آخر یہاں گاؤں والوں سے تو نہیں مانگ سکتے یہ ان کا اپنا گھر ہے یہاں پر الحمدللہ کھانا پکانے والی تمام عورتوں کیلئے سختی سے یہ پابندی ہوتی ہے کہ باوضو ہو کر کھانا تیار کریں۔ یہاں کسی امیر غریب میں کوئی امتیاز نہیں ہے تمام ساتھی برابر ہیں۔ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے پند و نصائح کا تحفہ عطا فرماتے ہوئے مجلس برخاست فرمائی اور مکھڈی حلوہ سے دعوت کا اہتمام فرمایا۔

حضرت نے فرمایا اپنے پیٹ کو لقمہ حرام سے بچائیں، اپنے گھر والوں کو پاکی ناپاکی کے مسائل سے ضرور آگاہ فرمائیں اور اپنے اہل خانہ کو بھی ذکر اذکار کی محفل میں ضرور شریک کریں اور دوزخ کی آگ سے بچائیں۔ عورتیں عموماً طہارت کے مسائل سے ناآشنا ہوتی ہیں اور ان کے ہاتھوں سے پکائی گئی غذا کے اثرات اولاد پر پڑتے ہیں۔ عمل مختصر ہی کیوں نہ ہو لیکن خلوص دل سے ادا کریں تو اس کا اجر ضرور نصیب ہوتا ہے اور اعمال کا دارومدار نیت پر ہوتا ہے اور نیتوں کی صفائی کے لئے ذکر کی محفل کو لازم پکڑو۔

واپسی پر مولانا ریاض صاحب کہنے لگے آئے تو تھے ہم خریدنے لیکن اب تو خود ہی بک (فروخت) چکے ہیں اور جسم تو واپس جا رہا ہے لیکن دل تو حضرت صاحب کے پاس ہی چھوڑ چلے ہیں۔ اب ہم ادھیڑ عمر میں پہنچ چکے ہیں اللہ نے کرم فرمایا اپنی منزل پہ پہنچا دیا۔ اس طرح یہ قافلہ بخیر و عافیت راولپنڈی پہنچ آیا۔

(الحمدللہ)

رمضان المبارک

اعتکاف......عبادت کی قبولیت کی سند

امیر محمد اکرم اعوان دارالعرفان چکوال

13-09-09

ان الدین عنداللہ السلام

ارشاد باری ہے کہ اللہ کے نزدیک بحیثیت دین شرف قبولیت پانے والا دین صرف دین اسلام ہے۔ اسلام سے ہٹ کر کوئی کام کوئی رسم کوئی مجاہدہ کوئی محنت کوئی طریقہ عبادت دین کے نام پر کیا جائے گا وہ نہ صرف یہ کہ غیر مقبول ہوگا قبول نہیں ہوگا بلکہ گستاخی شمار ہوگی جرم شمار ہوگا اور یاد رکھیں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام مبعوث ہوتے ہیں تو کوئی ان کی بات قبول کرے یا نہ کرے وہ نبیؑ ہی ہوتے ہیں۔ ایسے بھی نبیؑ ہیں جن کی کسی ایک شخص نے بات قبول نہیں کی ایسے بھی ہیں جنہیں شہید کر دیا گیا اور ایذا دی گئی کچھ انبیاء ایسے بھی ہیں جن کے ساتھ چند لوگ رہے لیکن جو من جانب اللہ انبیاءؑ کو دین بتایا جاتا ہے وہ ان کے پاس اللہ کی امانت ہوتی ہے۔ اور وہ سارے کا سارا من وعن بیان فرما دیتے ہیں کسی نے نبیؑ کی بات مانی یا نہ مانی نبیؑ نے بات پہنچانے کا حق ادا کر دیا۔ حضور اکرم ﷺ اللہ کے آخری نبی اور رسول ہیں نئی نبوت نہیں آئے گی نئی نبوت نازل نہیں ہوگی، نئی کتاب نہیں آئے گی اپنے وصال سے پہلے نبی کریم ﷺ نے عقائد، عبادات، فرائض، سنن، نوافل اور مستحبات تک ہر بات واضح کر دی اب حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد اگر کوئی دین کے نام پر کوئی بات شروع کرتا ہے جو ثابت نہیں ہے حضور اکرم ﷺ سے، خلفائے راشدین سے، سلف صالحین سے تو اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ معاذ اللہ یہ چیز حضور اکرم ﷺ نے نہیں بتائی ہم بتا رہے ہیں۔ اللہ کریم معاف کرے کہ نبی کریم ﷺ یہ چیز بتانا بھول گئے یا کمی کی جو ہم پوری کر رہے ہیں۔ دوسری بات علماء حق فرماتے ہیں کہ کوئی بندہ اپنی طرف سے بات بنا کر کہتا ہے کہ یہ دین ہے تو گویا وہ نبوت کا مدعی ہے یہ تو کفر ہے کہ وہ بتائے یہ دین ہے۔ دین تو تب ہوگا جب نبی کریم ﷺ سے نقل کرے اور اگر حضور اکرم ﷺ نے وہ بات ارشاد نہیں فرمائی اپنی طرف سے کہتا ہے تو پھر وہ اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو بدعات کے کام کے کرنے میں کیا جرم ہوگا اور کتنی سزا ملے گی اللہ کی ناراضگی ہوگی وہ بات تو اپنی جگہ ہے پہلے تو اس کا یہ کہنا دعویٰ نبوت کے زمرے میں آ جاتا ہے۔ ہمارے ہاں مصیبت یہ ہے کہ لوگ فرائض اور دین کو چھوڑ کر رسومات اور رواجات کے پیچھے پڑ گئے ہیں یہ تو میں دیکھ رہا تھا پرسوں حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان وہ فرما رہے تھے فرائض چھوٹ جائیں تو نوافل کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی اگر نوافل صحیح بھی ہوں تو ان کی حیثیت بنتی ہے فرائض کی ادائیگی پر۔ فرائض بنیاد ہوتے ہیں، جیسے ہوا میں تو عمارتیں تعمیر نہیں ہوتیں، پہلے بنیاد بنتی ہے اسی طرح فرائض بنیاد ہیں اگر فرائض چھوٹ جائیں نوافل پڑھتے رہیں تو فرائض کا اعتبار نہیں۔ سارا سال کوئی نماز نہیں پڑھتا لیکن ہر سال اعتکاف کرتا ہے تو اسے جاننا چاہیے کہ اعتکاف تو سنت ہے نفل ہے فرائض چھوڑ کر اس کا کیا فائدہ ہوگا۔ پھر اعتکاف میں بہت سے رواجات آ گئے

ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا خیر القرون قرنی جتنے زمانے آپ ﷺ سے پہلے گزر چکے ہیں اور جتنے زمانے آپ ﷺ کے بعد آئیں گے ان تمام میں بہترین زمانہ نبی کریم ﷺ کا زمانہ ہے خیر القرون قرنی اوکما قال رسول اللہ ﷺ۔ خیر القرون میں حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں جب حضور اکرم ﷺ اعتکاف فرماتے تھے امہات المومنین میں سے بھی اعتکاف کا اہتمام کیا جاتا تھا لیکن مسجد میں نہیں حضور اکرم ﷺ مسجد میں اعتکاف فرماتے تھے امہات المومنین میں سے جو اعتکاف فرماتی تھیں وہ اپنے اپنے حجرہ مبارک میں فرماتی تھیں بلکہ مسنون طریقہ یہ ہے کہ جس طرح مسجد ہوتی ہے اسی طرح گھر میں بھی کسی کمرے میں بیڈروم میں، کسی ڈرائنگ روم میں اگر نماز کے لئے جگہ مختص کرلی جائے تو بہت اچھی بات ہے ایک جگہ آپ باقاعدہ جائے نماز بچھادیں تو بہت اچھی بات ہے اس کے لئے وہ اعتکاف کی جگہ بن جاتی ہے، مناسب طریقہ تو یہ ہے اور خیر القرون میں یہ رہا ہے کہ امہات المومنین ایک جگہ کو نماز کے لئے مختص فرمالیتی تھیں۔ ہم جس طرح کہیں میز سجالیتے ہیں کہیں اور چیزیں جس طرح کمرہ سجایا جاتا ہے اسی طرح وہ عبادت کے لئے بھی مختص کی جاتی تھیں، ہونی چاہیے ہر گھر میں اگر وہ ہو تو ایک اہتمام رہتا ہے وہ جگہ پاکیزہ رہتی ہے، جائے نماز بچھا ہوتا ہے وہیں گھر کی خواتین عبادت کرلیتی ہیں کہیں اگر ایسا ہو تو وہی ان کے اعتکاف کی جگہ ہے اگر ایسا نہیں بھی ہے تو اعتکاف کے دنوں میں اعتکاف کے لئے کوئی جگہ مختص کرلی جائے۔ یاد رکھیں! جو مرد حضرات بھی معتکف ہوتے ہیں ان کے لئے بھی ضروری ہے کہ اعتکاف کے دنوں میں جو لوگ ان پر Depend کرتے ہیں، بچے، بزرگ یا افراد خانہ ان کے اخراجات کا اہتمام کرکے آئیں اگر انہیں ادویات یا راشن لا کر دینے کی مجبوری ہے تو جو چیزیں علم میں ہیں وہ اہتمام کرکے آئیں، وہ بعد میں دھکے نہ کھائیں۔ اخراجات دے کر آئیں اور اتنا وہ Afford کر سکتے ہوں کہ دس دن وہ مزدوری نہیں کریں گے تو خیر ہے گذارہ ہو جائے گا تو تب اعتکاف پہ بیٹھیں ورنہ اہل خانہ کی پرورش ان کی نگہداشت پہ فرض ہے۔ فرض کو چھوڑ کر نفل نہیں ہوتے چہ جائیکہ نوافل پہ زور لگایا جائے نوافل بھی قبول نہیں ہوتے خواتین کے لئے ضروری ہے کہ وہ گھروں میں اعتکاف کریں اور وہ بھی وہ خواتین جو فارغ ہوں مثلاً اگلے دن ایک خاتون مسئلہ پوچھ رہی تھی کہ مجھے اعتکاف بھی کرنا ہے، میں گھر میں اکیلی ہوں، بچوں کو سکول جانا ہوتا ہے، بچوں کی افطاری گھر میں کھانے پینے کا بھی کام کرنا ہوتا ہے تو گھر کے اندر ہی سارے کام ہیں، میں سارے کام بھی کرتی رہوں، اعتکاف پہ بھی بیٹھوں۔ تو میں نے کہا اعتکاف پہ تو بہ کرنے کی کیا ضرورت ہے، وقت سارا تو چولھے پر گزر جائے گا اور فرض ہے گھر میں کوئی دوسری خاتون نہیں ہے، جو ذمہ داری ہے تم وہ کرو یہ سارا سال تو آپ کو نماز روزے کی فکر نہیں ہوتی ان دس دنوں میں اب یہ مصیبت پڑ گئی ہے کہ یہ کام بھی کرنا ہے وہ کام بھی کرنا ہے اس طرح تو مرد بھی بات کسی سے نہ کرے، دکان بھی کھول لیں اور رات کو آکر اعتکاف پہ بھی بیٹھ جائیں یہ چیزیں از خود تو نہیں ہوتیں، مجھے سمجھ نہیں آتی یہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کیوں اس طرح کی غلط سلط باتیں سوچتے ہیں خواتین یہاں سے بستر اٹھاتی ہیں اور لاہور اور دیگر دور دراز جا کر اعتکاف کرتی ہیں بھئی نئی بات ہے عجیب بات ہے حجرات مقدسہ سے مسجد نبوی درمیان میں حجرہ مبارکہ کے کب دیوار ہوتی تھی حجرہ مبارکہ سے مسجد نبوی میں اُمہات المومنین تو اعتکاف کے لئے نہیں آئیں اور ہماری خواتین نفلی اعتکاف کرنے چلی جاتی ہیں سلسلے کی بے شمار خواتین کا بھی اصرار ہوتا ہے۔ میں نے کہا ضرور کرو اپنے اپنے گھروں میں کرو جو شرعی طریقہ ہے اگر ایک شرعی کام کو غیر شرعی طریقے سے کرو گے تو وہ تو جرم بن جائے گا۔ شریعت کو منع کرنے

والی بات بن جائے گی، اس پر کیا ثواب، کیا اجر اور کیا نیکی ملے گی؟ دس دنوں کے لئے بندے کا امور دنیا سے فارغ ہونا ضروری ہے مرد ہو یا خاتون اگر فارغ نہیں ہے تو اعتکاف اس پر کوئی فرض تو نہیں ہے کہ اس نے ضرور کرنا ہے وہ فرائض ہیں بچوں کو تیار کرنا، بچوں کو کھانا دینا، افطاری کا اہتمام کرنا، یہ تو فرائض ہیں، ان فرائض کو چھوڑ کر وہ سنت یا نفل کی طرف کیوں آئے؟ فرائض ادا کرے اللہ قادر ہے جس رب العالمین نے اعتکاف کا اجر دینا ہے اگر کوئی اپنے فرائض سے فرصت نہیں پا رہا مصروف ہے تو وہ قادر ہے وہ اسے فرائض میں اس سے زیادہ اجر دے گا۔ اللہ پابند تو نہیں کہ جو مسجد میں بیٹھا ہے اسی کو اجر دے گا اور جو نہیں آ سکا اس کو کوئی ثواب نہ دے۔ وہ تو دلوں کو دیکھتا ہے کتنے ایسے لوگ ہیں جو عمریں میدان کارزار میں صرف کر گئے۔ لیکن جب موت آئی تو وہ بستر پر تھے حضرت خالد بن ولیدؓ کو رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی تلوار کہا تھا سب سے پہلے انہیںؓ کا لقب ہے جو بارگاہ رسالت سے ملا تھا۔ خالد سیف اللہ بے شمار جنگوں میں انہوں نے داد شجاعت دی اور ان کے جسم پر 128 نشان زخموں کے تھے لیکن ان کا وصال تو گھر میں ہوا بستر پر ہوا تو جس شخص کی عمر کلمہ پڑھنے سے وصال تک میدان کار زار میں گزر گئی کیا اللہ اسے اجر نہیں دے گا۔ وہ مجبور ہے کہ اسی کو دے گا جو میدان میں قتل ہوئے قتل ہونا تو اس کے بس میں نہیں تھا، جان پیش کرنا اس کے بس میں تھا۔ اگر ایک بندے کے دل میں تڑپ ہے آرزو ہے کہ میں اس سعادت سے بہرہ ور ہوں اور اسے فرصت نہیں ملتی، کتنے وہ ساتھی جو غزوۃ الہند کے لئے تیار بیٹھے تھے وقت آیا اور وہ چلے گئے تو کیا اللہ کریم انہیں اجر نہیں دیں گے؟ وہ تو دلوں کو جانتا ہے اور اللہ محتاج نہیں ہے ہماری کسی exercise کا نہ ہی ہم آسمان کے نیچے ستون رکھ دیں گے۔ کسی کے دل میں آرزو ہے اور وہ پُرخلوص ہے، حالات اسے وہ کام نہیں کرنے دے رہے وہ اجر دے گا اس لئے دین کی حدود کو توڑ کر یہ سمجھنا کہ میں نیکی کر رہا ہوں یہ کچھ صحیح نہیں جس طرح خواتین کی گھریلو ذمہ داریاں ہیں ان سے فارغ ہو فرصت ہو تو ضرور اعتکاف کے لئے بیٹھے، لیکن اپنے اپنے گھر میں بیٹھے۔ اسی طرح مرد حضرات پر بھی جوان کی ذمہ داری ہے، جو افراد خانہ ان پر انحصار کرتے ہیں ان افراد خانہ کے کھانے پینے کا دوا کا اہتمام کر کے آئیں اور اتنی بساط بھی ہو کہ دس دن مزدوری نہیں کریں گے یا اعتکاف بیٹھیں گے تو کوئی فرق نہیں پڑے گا گھر والوں کا گزارہ ہو جائے گا تو پھر ٹھیک ہے۔ اگر مجبوری ہے کہ روز مزدوری کر کے لانی ہے تو تب شام کو افطار ہو گا تو ایسے لوگ اگر ذمہ داری چھوڑ کر اعتکاف بیٹھ جائیں تو درست نہیں۔

چونکہ یہ تو فرض ہے اس پر اور یہ نفل عبادت ہے تو عبادات میں بھی یہ لحاظ رکھنا چاہیے کہ جتنی نصیب ہو جتنی کرتے ہیں آپ بے احتیاطی سے، تیزی سے اٹھتے بیٹھتے ہیں، ٹھونگیں مارتے، سو رکعات نفل پڑھتے ہیں سکون کے ساتھ دو رکعت پڑھ لیں ان کے ارکان صحیح ادا کریں رکوع سجود صحیح کریں تو ہو سکتا ہے وہ دو رکعت اس بے ترتیب سو رکعت سے بہتر ہو جتنا ہو سکے اتنا کیا جائے اب یہ سمجھنا کہ میں بہت زیادہ کروں گا تو اللہ کریم مجبور ہو جائیں گے یہ درست نہیں ہے اس کے احسانات اتنے ہیں۔ **وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا** ۝ (سورۃ ابراہیم الآیہ 34) کہ شمار ہی نہیں ہو سکتے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حضرت جبرائیل امینؑ سے کہ کسی شخص کا ایسا واقعہ آپ نے دیکھا ہو جو بہت عجیب لگا ہو۔ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا بہت نیک اس کا واقعہ مجھے بڑا عجیب لگتا ہے اس نے چار سو سال عمر پائی تو جب وہ عاقل بالغ ہوا تو وہ آبادی چھوڑ کر باہر نکل گیا اور سمندر میں ایک پہاڑی سی تھی سمندر میں ایک جزیرہ سا بنا ہوا تھا اس پر چشمے بھی تھے پھل دار درخت بھی تھے وہ اس پہ چلا گیا اس نے چار سو سال ذکر عبادت اور یاد اللہ

میں گزار دیئے نہ وہاں کوئی اس سے ملا نہ اس نے کسی سے بات کی چار سو سال اس نے اور کچھ نہیں کیا اور جب موت کا وقت آیا تو اللہ کریم نے حکم دیا ملک الموت کو کہ اس نے کس حال میں مرنا ہے تو ملک الموت نے ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا مجھے دوگانہ نیت کرنے دو اور میں سجدے میں ہوں اور سبحان ربی الاعلیٰ کہہ رہا ہوں تو میری روح قبض کر لینا تاکہ میں قیامت کو سجدے میں اٹھوں اور میرے منہ سے سبحان ربی الاعلیٰ نکلے تو انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ اسی طرح ان کی وفات ہوئی اور میں اب بھی آسمانوں پر جاتا ہوں یا اُترتا ہوں تو میں نظر کرتا، دیکھتا ہوں کہ صدیاں گزر گئیں لیکن اس کا وجود اسی طرح سربسجود ہے ہوا بارش دھوپ نے اس کا کچھ نہیں بگاڑا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟ انہوں نے عرض کی یارسول اللہ حیرت کی بات یہ ہے کہ اس کے بارے اللہ کریم نے بتایا کہ جب میدان حشر میں آئے گا اور پیش ہوگا بارگاہ الوہیت میں تو حکم ہوگا ''**اذھبو بعبدی الیٰ جنتی برحمتی**'' رحمت اور بخشش کے طفیل میرے اس بندے کو جنت میں لے جاؤ تو وہ عرض کرے گا بارالٰہا میری عرض بھی سن لیجئے یا اللہ آپ نے مجھے چار سو سال بڑی طویل عمر دی لیکن میں نے بھی چار صدیاں سوائے تیرے نام کے زبان سے کچھ نہیں نکلا سوائے تیری عبادت کے کچھ نہیں کیا سوائے تیری رحمت کے کچھ نہیں مانگا۔ چار سو سالہ عبادت کا بھی کوئی وزن ہے کہ صرف تیری رحمت کے ساتھ ہی جنت میں جانا ہے فرمایا ارشاد ہوگا یہ تو بہت اچھی بات ہے حساب کتاب تو ہونا چاہیے میں نے تو تمہیں ویسے ہی بھیج دیا تھا تم چاہتے ہو تو ٹھیک ہے فرمایا میری نعمتوں کا اور اس کی عبادت کا وزن کر لو عرض کی یارسول اللہ چار سو سال آنکھ کی نعمت جو نظر اس نے استعمال کی تھی وہ پلڑے میں رکھی جائے گی تو وہ چار سو سالہ عبادت قیمت میں کم پڑ جائے گی مقدمہ پھر واپس آ جائے گا بارگاہ الوہیت میں یا اللہ عبادت تو ختم ہوئی لیکن ایک نعمت جو ہے آنکھ اس کا بھی شکر پوری طرح ادا نہیں ہو سکا اور باقی بے شمار نعمتیں تو پیچھے پڑی ہیں اب کیا کیا جائے فرمایا یہ انصاف کا طالب تھا تو انصاف تو یہ ہے کہ اسے جہنم میں بھیج دو اتنا عرصہ رہے جب سب نعمتوں کا اجر پورا ہو جائے تو تب نکال لیا جائے تو اس وقت فرمایا پھر وہ عرض کرے گا ساری زندگی اگر غلطی نہیں کی تو میدان حشر میں آ کے تو کر دی لوگوں کے اتنے گناہ معاف فرما رہا ہے میرا یہ جرم بھی معاف فرما دے تو پھر ارشاد ہوگا ٹھیک ہے اگر رحمت کا طالب ہے تو پھر بخشش تو عام ہے اس کا طالب ہے تو کر لو۔ یہ کس کس نعمت کا ہم حساب کتاب کر لیں گے۔ عبادات بندے اور اللہ کا باہمی تعلق ہے۔ رکوع اور سجود بندے اور اللہ کا واحد تعلق ہے ذکر عملی ہو قلبی ہو لسانی ہو یہ واحد تعلق ہے جو بندہ اپنے مالک سے قائم کر سکتا ہے لیکن کوئی بھی عبادت اللہ کو مجبور نہیں کر سکتی اس نظر سے عبادت نہیں کرنی چاہیے میں اعتکاف پر بیٹھوں گا تو میرا حق اللہ پر غالب آ جائے گا۔ پوری نظر اطاعت الٰہی پہ ہونی چاہیے۔ میں اگلے دن دیکھ رہا تھا نبی کریم ﷺ کا ارشاد عالی جس کا مفہوم یہ تھا اللہ کو جتنی عزیمت پسند ہے اپنے احکام کی پابندی پسند ہے اتنی جو اس نے رخصتیں دی ہیں اتنا ہی اس پر عمل کرنا بھی پسند ہے۔ نبی کریم ﷺ نے چار رکعت ادا فرمائی مدینہ منورہ میں اور ذوالحلیفہ پہنچے تو عصر کا وقت تھا دوگانہ ادا فرمایا صحابہؓ نے عرض کی دور تو ہم نہیں ہیں تو یہاں بھی ہم چار رکعت پڑھیں فرمایا اللہ کو جتنی عزیمت پسند ہے اپنی رخصتوں پر عمل بھی اتنا ہی محبوب ہے۔ ہم سفر میں ہیں شہر کی جو حدود ہیں ان سے ہم نکل آئے ہیں ہماری نماز قصر ہے اگر ہم یہاں پوری اس لئے پڑھیں گے کہ زیادہ ثواب ہے تو زیادہ ثواب نہیں ہے۔ ثواب قصر پڑھنے میں ہے مقصد تو اللہ کی اطاعت ہے ایک بندہ کہتا ہے میں فارغ ہوں میں مغرب کی تین رکعت کیوں پڑھوں پانچ پڑھتا ہوں تو تین بھی ادا نہیں ہوں گی کہ

مقصد اطاعت ہے احکام الٰہی میں کمی یا زیادتی مقصد نہیں ہے یا زیادتی کر کے کوئی حاصل نہیں کرسکتا یا کوئی اللہ کریم کو مجبور نہیں کرسکتا اب اس پر بہت بڑا احسان ہو گیا لہٰذا بہت بڑی عبادت ہے اللہ توفیق دے اور اتنی فراغت کہ بندے کر سکیں تو ضرور کریں۔ لیکن فرائض کو چھوڑ کر نہیں اور بالخصوص خواتین کو اس کا ضرور خیال رکھنا چاہیے کچھ اس میں ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ ہم عبادت میں بھی شہرت چاہتے ہیں اور سب بڑے شوقین ہیں کہ لوگ کہیں جی یہ بڑا عابد و زاہد ہے خواتین میں مردوں کی نسبت یہ بات زیادہ ہے کہ دوسری سمجھیں گی اس نے اعتکاف کیا بھئی تم نے اعتکاف کا اجر کیا لوگوں سے لینا ہے! فرصت ہے صحت ہے تو درست ورنہ جو مریض ہے وہ جا کے اعتکاف بیٹھ جاتا ہے دس بندے اس کے ساتھ بھاگ رہے ہیں اسے یہ تکلیف ہو گئی فلاں ٹیکہ لاؤ فلاں ڈاکٹر کو بلاؤ اسے جب پتہ ہے مجھے یہ تکلیف ہے تو دعا کرو اللہ سے کہ اللہ میرا ابھی بہت دل چاہتا تھا وہ تو قادر ہے فرمایا ہجرت کے لئے اگر کوئی خلوص سے نکلا گھر سے نکلتے ہی راستے میں موت آ گئی فأجرهٗ علی اللہ اس کی ہجرت کا اجر اللہ کے ذمے ہے وہ دے گا خواہ اس کی ہجرت مکمل ہوئی یا نہیں ہوئی یہ اس کا ارادہ تھا وہ اللہ کی راہ میں نکل کھڑا ہوا تھا یہ اللہ کو پسند ہے تو عبادات میں بلکہ عبادات کی قبولیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے عبادت کس لئے ہوتی ہے؟ عبادت کا مقصد یہ ہوتا ہے حصول رضائے الٰہی اور حصول رضائے الٰہی کے لئے عبادت وہی عبادت ہے جس کی اللہ کے نبی کریم ﷺ نے تعلیم فرمائی اور وہی اس کو کرنے کا طریقہ حضور اکرم ﷺ نے سمجھایا صحابہ کرامؓ سلف صالحین ہمارے بزرگوں نے سینہ بہ سینہ وہ امانت پوری طرح پہنچائی اور انشاء اللہ قیامت تک ہر طالب کو پہنچتی رہے گی اور قیامت تک رہے گی عبادت کی قبولیت کی سند یہ ہے کہ اللہ کی نافرمانی سے ڈر لگنے لگے نافرمانی چھوٹ جائے تو اس کا مطلب ہے کہ عبادت قبول ہو گئی اور اب حج بھی کر کے آ گئے روزے بھی رکھ لئے پھر وہی لوگوں کی جیبیں بھی کاٹنا شروع کر دیں۔ پھر وہی زندگی اس میں واپس لوٹ گئے وہی کردار وہی شب و روز تو اس کا مطلب ہے وہ محض ایکٹنگ تھی عبادت نہیں تھی اگر عبادت ہوتی تو کچھ تو اس کا اجر ہوتا اداکاری میں اور حقیقی زندگی میں کتنا فرق ہے۔ اداکاری میں اگر ایک شخص مکہ مارتا ہے تو دس دس بندے گر جاتے ہیں اگر کوئی بچہ بھی تھپڑ مارے تو وہ گر جائے اداکاری میں تو ایک شخص بادشاہ بنا بیٹھا ہوتا ہے باہر نکلے تو پیسوں کے لئے ہاتھ پھیلائے کھڑا ہوتا ہے کہ میرے آج کے سین کے پیسے دو آٹا خریدنا ہے تو عبادت کو اداکاری نہیں بنانا چاہیے اداکاری ہوتی ہے لوگوں کو دکھانے کے لئے اللہ کی رضا کے حصول کے لئے کرو تو اللہ کریم کی رضا کا مدار تو قبولیت پر ہے نبی کریم ﷺ کا ارشاد میں نے پڑھا فرماتے ہیں زندگی میں پوری زندگی میں کسی کی ایک تسبیح قبول ہو گئی اس نے سبحان اللہ کہا، سبحان ربی العظیم کہا سبحان ربی الاعلیٰ کہا تسبیحات ہیں، الحمدللہ کہا سبحان اللہ کہا ایک تسبیح قبول ہو گئی تو وہ نجات کے لئے کافی ہے اس کی رحمت اور اس کی عطا اتنی بڑی ہے کہ اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا فرمایا ایک تسبیح کی قبولیت زندگی بھر کے گناہوں کو معاف کرنے اور نجات کے لئے کافی ہے تو پھر جنہیں اللہ نے توفیق دی ہے ساری زندگی ذکر اذکار میں تلاوت میں رکوع و سجود میں گذر جاتی ہے تو کتنی رحمت سمیٹتے ہیں کتنی عطائیں ان پر ہوتی ہیں قبولیت کا دنیا میں ہمارے پاس جو معیار ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کی عظمت کا احساس دل میں زندہ ہو جاتا ہے نافرمانی سے رک جاتا ہے اطاعت کی توفیق ہو جاتی ہے اور یہی ثبوت ہمیں متقدمین صحابہ کرامؓ سے مشائخ عظام سے ملتا ہے تو حقیقت اسلام جب ان کے دل میں جاگزیں ہوئی تو وہی لوگ تھے۔ چہرے نہیں بدلے رنگ اور قد گوشت پوست نہیں بدلا وہی وجود تھے لیکن یکسر بدل گئے۔ پورے کا پورا کردار سو فیصد

بدل گیا۔ آج بھی ہمیں بجائے یہ دیکھنے کے کہ کتنے لوگوں کو پتہ ہے میں نے اعتکاف کیا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ میرے دل میں کتنی کیفیات بدلیں؟ کتنی لذت عبادت بڑھی نافرمانی سے کتنا اجتناب کرنیکی توفیق ہوئی اور یاد رکھیں اطاعت احکام کی پیروی میں اپنی طرف سے چیزیں گھڑ کے ان پر قائم ہونا نیکی کا سبب نہیں بنتا بلکہ اللہ کی ناراضگی کا سبب بنتا ہے اللہ کریم اپنی ناراضگی سے پناہ میں رکھے ہمارے گناہوں سے درگزر فرمائے ہماری خطائیں معاف فرمائے۔ ہمیں نیکی کی توفیق عطا کرے نیکوں کا ساتھ دے نیکی پہ موت دے اور نیک بندوں کے ساتھ حشر فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

خوشخبری

حضرت امیر المکرم کے نو دریافت طبی نسخوں میں اضافہ

حضرت امیر المکرم مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہٗ صحیح معنوں میں ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک ہیں۔ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جو ان کی دسترس سے باہر ہو۔ طب وحکمت سے تو بطور خاص ہر دور میں صوفیا عظام اور علماء کرام کو خاص شغف رہا۔ حضرت امیر المکرم بھی اس شعبہ میں پیچھے نہیں اور مختلف جڑی بوٹیوں اور قدرتی اجزاء سے ایسے نسخہ جات دریافت فرما رہے ہیں جو مختلف بیماریوں سے نجات کے لئے انتہائی موثر ہیں حال ہی میں حضرت امیر المکرم کے نو دریافت نسخہ جات میں انتہائی خوش آئند اضافہ ہوا ہے۔ ضرورت مند استفادہ کرسکتے ہیں۔

کلسٹرو کیئر
Cholestro Care — Rs.200 — کلیسٹرول کو صحیح حالت پر رکھتا ہے مالش کے لیے

پین گو
Pain Go — Rs.100 — ہر طرح کے درد کے لئے مفید ہے

ہیئر گارڈ آئل
Hair guard Oil — Rs.500 — بالوں کی صحت کے لئے مفید ہے۔

Cough E — Rs.30 — کھانسی کیلئے گولیاں

کیوریکس
CUREX — Rs.175 — جوڑوں کے درد اور کمر کے درد سمیت ہر قسم کے دردوں کیلئے کھانے کے لیے

ملنے کا پتہ :- دار العرفان منارہ ضلع چکوال فون 0543-562200

17- اویسیہ ٹاؤن شپ لاہور فون 042-35182727

مکارمِ اخلاق کی تکمیل

فیض الرحمٰن
اسلام آباد

حضرت سعد بن ہشامؒ کا بیان ہے کہ میں ایک روز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ حضرت محمد ﷺ کے اخلاق کریمہ بیان کیجئے۔ تو فرمایا کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ میں نے عرض کیا کہ الحمدللہ قرآن تو روز پڑھتا ہوں۔ فرمایا کہ بس قرآن ہی آپ کا خلق ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے آپ کو قرآن ہی کے ذریعے مکارم اخلاق سے آراستہ فرمایا ہے۔

حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ کوئی چیز جو حساب کے ترازو میں رکھی جائے گی۔ حسن اخلاق سے زیادہ بھاری نہیں ہوگی۔

شریعت میں ہر چیز کا اعتدال مقصود ہے اور اعمال اخلاق کی فرع ہیں (یعنی اعمال اخلاق سے پیدا ہوتے ہیں) اور اصل محل اعتدال کا اخلاق ہیں۔ تین قوتیں ہیں جن سے اخلاق پیدا ہوتے ہیں۔ قوت عقلیہ، قوت شہویہ، قوت غضبیہ حاصل یہ ہے کہ اپنے منافع کے حصول اور نقصان کے دفع کے لئے خواہ وہ دُنیاوی ہو یا اُخروی دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ ایک تو وہ قوت جس سے مُنفعت و مضرت کو سمجھے۔ وہ قوت مدرکہ ''عقلیہ'' ہے۔ دوسرے یہ کہ منفعت کو سمجھ کر اس کو حاصل کرے۔ یہ قوت ''شہویہ'' کا کام ہے۔ تیسرے یہ کہ نقصان کو سمجھ کر اس کو دفع کرے۔ یہ قوت دافعہ قوت ''غضبیہ'' ہے۔ ان تینوں سے مختلف اعمال صادر ہوتے ہیں۔ ان اعمال کے تین درجے ہیں۔ افراط (زیادتی) تفریط (کمی) اور اعتدال (درمیانہ درجہ) افراط اور تفریط سے بچنے کی ضرورت ہے۔ اور درجۂ اعتدال مطلوب ہے۔

قوت عقلیہ کا افراط یہ ہے کہ اتنی بڑھے کہ وحی کو بھی نہ مانے۔ تفریط یہ ہے کہ جہل کا نمونہ بن جائے۔ قوت شہویہ کا درجہ افراط یہ ہے کہ حلال و حرام کی تمیز نہ رہے۔ بیوی اور اجنبیہ سب برابر ہو جائیں۔ درجۂ تفریط یہ ہے کہ ایسا پرہیزگار بنے کہ بیوی سے بھی دور دور رہے۔ یا مال کا ایسا حریص بن جائے کہ اپنا پرایا سب ہضم کرنے لگے یا ایسا زاہد بنے کہ ضرورت کی چیزیں بھی چھوڑ دے۔ اسی طرح قوت غضبیہ کا افراط یہ ہے کہ بالکل ہی بھیڑیا بن جائے اور تفریط یہ ہے کہ کوئی جوتے بھی مارے، دین کو برا بھلا کہہ لے، تب بھی غصہ نہ آئے۔ یہ تو افراط اور تفریط ہے۔ ایک ان تینوں قوتوں کا اعتدال ہے۔ یعنی جہاں شریعت نے اجازت دی ہو وہاں تو ان قوتوں کو استعمال کرے جہاں اجازت نہ دی ہو وہاں ان قوتوں سے کام نہ لے۔ تو ہر قوت میں تین درجے ہوئے۔ افراط تفریط، اعتدال۔ قوت عقلیہ کے افراط کو ''جزبرہ'' کہتے ہیں۔ تفریط کو ''سفاہت'' کہتے ہیں، درجۂ اعتدال کو ''حکمت'' کہتے ہیں۔ اسی طرح قوت شہویہ کا افراط ''فجور'' ہوتا ہے۔ تفریط کا درجہ ''جمود'' ہوتا ہے۔ اعتدال کا درجہ ''عفت'' ہے۔ قوت غضبیہ کا درجہ افراط ''تہور'' ہے۔ درجۂ تفریط ''جبن'' ہے۔ درجۂ اعتدال کو ''شجاعت'' کہتے ہیں۔ تو یہ تو درجے تمام اچھے اور برے اخلاق کو حاوی ہیں۔

ان 9 درجوں میں سے صرف تین مطلوب ہیں۔ یعنی حکمت، عفت اور شجاعت، باقی سب رزائل ہیں یعنی ناپسندیدہ ہیں۔ ان تینوں کے مجموعہ کو "عدالت" کہتے ہیں۔ اس لئے اس امت کا لقب اُمّتِ وَسَطْ یعنی اُمّتِ عادلہ ہے۔

اخلاق سب فطری اور جبلی ہیں اور درجہ فطرت میں کوئی خلق نہ مذموم ہے نہ محمود، بلکہ مواقع استعمال سے ان میں مدح وذم آجاتی ہے۔ جس نے اللہ تعالیٰ ہی کی رضا کے لئے دیا اور اللہ تعالیٰ ہی کی رضا کے لئے روکا تو اس کا ایمان مکمل ہوا۔ اس میں عطا ومنع دونوں کے ساتھ لِلّٰہ کی قید ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ سخاوت مطلقاً محمود نہیں نہ بخل مطلقاً مذموم، بلکہ اگر خدا کے لئے ہوں تو دونوں محمود ورنہ دونوں مذموم۔

قوتِ غضبیہ کے اعتدال کا نام "شجاعت" ہے اور یہی عنداللہ پسندیدہ ہے۔ حالت اعتدال یعنی شجاعت سے لطف وکرم، دلیری و جودت، بردباری واستقلال، نرمی وملاطفت اور غصہ کے ضبط کا مادہ اور ہر کام میں دوراندیشی اور وقار پیدا ہوتا ہے اور اگر زیادتی ہوتی ہے تو ناعاقبت اندیشی، ڈینگ مارنا، شیخی بھگارنا، غصہ سے بھڑک اٹھنا، تکبر اور خود پسندی پیدا ہوتی ہے اور اگر اس میں کمی ہوتی ہے تو تو بزدلی وذلت، بے غیرتی، کم ہمتی، کمینہ پن اور وہ حرکات ظاہر ہوتی ہیں جو چھچھورا پن کہلاتی ہیں۔

شہوت کی حالت اعتدال کا نام پارسائی یا عفّت ہے پس اگر شہوت اپنی حد اعتدال سے بڑھ جائے گی تو حرص وہوا کہلائے گی۔ حالت اعتدال یعنی پارسائی اللہ پاک کو پسند ہے۔ اور اس سے جو فضائل پیدا ہوتے ہیں وہ سخاوت، حیا، صبر، قناعت اور اتقاء کہلاتے ہیں۔ طمع کم ہو جاتی ہے خوف وخشیت اور دوسروں کی مدد کرنے کا مادہ پیدا ہوتا ہے اگر شہوت حد اعتدال سے زیادہ یا کم ہو گی یعنی افراط وتفریط کی صورت میں جو فضائل پیدا ہوتے ہیں ان کو حرص ولالچ، خوشامد، چاپلوسی، امراء کے سامنے تذلل اور فقراء کو بنظر حقارت دیکھنا، بے حیائی، فضول خرچی، ریاء، تنگدلی، نامردانگی اور حسد وغیرہ خصائل بد پیدا ہوتے ہیں۔

قوت عقل میں اگر اعتدال ہوتا ہے تو انسان مدبر ومنتظم اور ذکی اور سمجھ دار ہوتا ہے کہ اس کی رائے صائب ہوتی ہے اور ہر معاملے میں اس کی طبیعت جودت دکھلاتی ہے۔ اگر قوت عقلیہ حد اعتدال سے بڑھ جائے تو دھوکہ بازی، فریب دہی اور مکاری جیسے خصائل بد نمایاں ہوتے ہیں۔ اگر قوت عقلیہ میں کمی ہوگی تو کند ذہنی وحماقت اور بے وقوفی جیسی صفات نمایاں ہوں گی۔ اور ایسا آدمی جلد دوسروں کے دھوکہ میں آجائے گا۔ غرض جس وقت یہ ساری قوتیں حد اعتدال پر ہوں گی تو اس وقت انسان کو خوب سیرت کہا جائے گا کیونکہ اعتدال سے گھٹنا، بڑھنا دونوں حالت حسن سے خارج ہیں۔ ویسے بھی حدیث شریف کے مطابق "خیر الامور اوسطھا" حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہمارے بندوں کی یہ شان ہے کہ نہ وہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل بلکہ اس کے بین بین حالت پر رہتے ہیں۔

جس طرح حسن ظاہری میں کمی اور بیشی ہوا کرتی ہے کہ کوئی زیادہ خوبصورت ہوتا ہے اور کوئی کم۔ اسی طرح حسن باطنی میں بھی لوگوں میں کمی وبیشی ہوتی ہے۔ سب سے زیادہ خوب سیرت تو سرور عالم رسول مقبول سیدنا محمد ﷺ ہیں کہ آپ کی شان میں آیت کریمہ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ نازل ہوئی ہے آپ کے بعد جس مسلمان کو آپ کے اخلاق کے ساتھ جتنی مناسبت ہوگی اسی قدر اس کو حسن سیرت کہیں گے اور یہ ظاہر ہے کہ سیرت باطنی میں جس قدر بھی جس کو حسن حاصل ہوگا اسی قدر اس کو سعادت اخروی حاصل ہوگی۔

قوت عقلیہ، قوت شہویہ اور قوت غضبیہ میں اعتدال ہو تو اعلےٰ اخلاق پیدا ہوتے ہیں جن کو اوصاف حمیدہ بھی کہا جاتا ہے جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔ اخلاص، نیت، تقویٰ، تواضع،

توبہ، توحید، توکل، خشوع، خوف، رجا، رضا، زہد، صبر، شکر، تفویض۔ اگر ان قوتوں میں افراط وتفریط پائی جائے تو اخلاقِ رزیلہ پیدا ہوتے ہیں۔ اخلاق رزیلہ بذاتِ خود مذموم نہیں ہیں ان پر عمل کرنا منع ہے۔ مثلاً کوئی شخص اسلام کو برا کہے یا حضور اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کرے وہاں مسلمان کو غصہ آنا چاہیے۔ بلکہ اگر غصہ نہیں آتا تو گناہگار ہوگا اسی طرح کسی جگہ مسجد کے لئے چندہ جمع کیا جارہا ہو تو اپنی مالی حالت کے مطابق دل کھول کر چندہ دینا چاہیے۔ ایسے موقع پر بخل کرنا مذموم ہے۔ کسی جگہ ناچ، گانا ہو رہا ہو تو وہاں بخل کرنا کارِ ثواب ہے۔

چند اخلاقِ رذیلہ یہ ہیں۔ کذب، غیبت، اسراف، بخل، بغض، تکبر، حسد، ریا، عجب، غضب، نفاق، حرص، حب جاہ، حب دنیا۔

ہم سب کو اللہ تعالیٰ سمجھنے اور سمجھ کر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

18-07-2009

حقِ امانت اور علومِ معرفت

امیر محمد اکرم اعوان دارالعرفان چکوال

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ

وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَھَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْھَا وَ حَمَلَھَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَھُوْلًا ﴿۷۲﴾

(سورۃ الاحزاب آیت نمبر 72)

اَللّٰھُمَّ سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا

عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمٖ

سادہ سا ترجمہ اس کا یہ ہے کہ ہم نے یہ امانت آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں پر پیش فرمائی انہوں نے معذرت کر لی کہ بارالہا یہ ہمارے بس کا کام نہیں ہے۔ وَ اَشْفَقْنَ مِنْھَا اور اس سے خوفزدہ ہو گئے وَ حَمَلَھَا الْاِنْسَانُ ؕ انسان نے وہ امانت قبول کر لی اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَھُوْلًا ﴿۷۲﴾ انسان یقیناً اپنے مزاج میں غلط کار بھی ہے اور بے علم بھی۔ اللہ جل شانہٗ نے اپنی ساری مخلوق میں صرف انسان کو یہ استعداد دے کر پیدا فرمایا ہے کہ وہ معرفت باری کا بار امانت اٹھا سکے وہ بے نیاز ہے وہ فرماتا ہے میں نے ساری مخلوق پہ یہ بارگراں پیش کیا کسی میں جرأت ہے تو اٹھائے لیکن سب نے معذرت کر لی اس لئے کہ کسی میں اس بارگراں کو اٹھانے کی ہمت نہ ہوئی اور وہ ڈر گئے کہ یہ بات ان کے بس کی ہے ہی نہیں۔ وَ حَمَلَھَا الْاِنْسَانُ ؕ اور انسان نے قبول کر لی۔ اس لئے کہ انسان پیدا ہی اس کے لئے کیا گیا تھا۔ وہ مالک ہے بے نیاز ہے آسمان اور آسمانوں کی ساری مخلوق ملائکہ ہیں۔ زمین ہے زمین کی ساری مخلوق مراد ہے تو اللہ کی مخلوق جو آسمانوں اور زمینوں سے ہے وہ اس سے لرز گئے۔

یہ وہی سوال تھا جو کل ہمارے بیان میں تھا کہ اللہ کون ہے؟ اللہ کہاں ہے؟ اللہ کیسا ہے؟ اس کی ذات کیسی ہے؟ اس کی صفات کیسی ہیں؟ تو اللہ کریم نے انسان کو جب یہ استعداد بخشی تو اس میں ایک خصوصیت بھی رکھی کہ وہ اس امانت کو اور اس بارگراں کو سنبھالنے کا طریقہ یعنی معرفت بھی اللہ سے حاصل کرے اور اسی لئے پہلے انسان کو آدمؑ کو نبوت عطا فرمائی اور بعد میں آنے والے ہر زمانے میں ہر قوم میں ہر بستی میں انسانی آبادیوں میں انبیاءؑ مبعوث فرمائے۔ چونکہ اگر علوم الٰہی نہیں ہوں گے، تعلیمات نبوت نہیں ہوں گی انسان اپنی رائے اپنے تجربات سے کرنا چاہے گا تو اس معاملے میں قطعی جاہل ہے وہ نہیں سمجھ سکے گا جب جانتا نہیں ہے تو کام بھی غلط ہی کرے گا، الٹے کام کرے گا۔ آج بھی دیکھ لیں جو بھی شخص کتاب اللہ سنت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہٹ جاتا ہے وہ کتنا دانشور ہو، کتنا سائنسدان ہو، کتنا مورخ ہو، کتنے علوم میں مہارت رکھتا ہو، معرفت الٰہی کی طرف ایک قدم نہیں بڑھ سکتا، بلکہ

اس سے دور ہوتا چلا جاتا ہے تو انسان میں ذاتی طور پر اور تخلیقی طور پر یہ قوت نہیں رکھی گئی کہ وہ معرفت الٰہی کے بارگراں کو سنبھالنے کے لئے اس کے طریقے اور سلیقے کو جان سکے اس لئے کسی انسان کا ایجادہ کردہ مذہب کبھی حق نہیں ہوتا۔ مذہب کا معنی ہی طریقہ رویہ اور سلیقہ ہوتا ہے۔ ذَھَبَ یَذْھَبُ سے ہے۔ گزرنے کا راستہ یعنی عمر گزارنے کا طریقہ سلیقہ۔ اب انسان اگر اپنے ذاتی علوم سے طریقہ مقرر کرنا چاہے تو اس معاملے میں وہ قطعاً جاہل ہے اور جب جاہل ہے تو اُلٹے کام کرے گا۔ ظَلُوْمًا غلط کام کرے گا، ظلم ہوتا ہے کسی کام کو غلط طریقے سے کرنا، عربی لغت میں اسکا ترجمہ کرتے ہیں۔ وَضْعُ شِیٔ فِیْ غیرِ مَحلِّہٖ کسی چیز کو ایسی جگہ رکھنا جو اس کا مقام نہ ہو یعنی غلط کام کرنا تو انسان بنیادی طور پر غلطیاں کرتا ہے کہ وہ جاہل ہے ان رموز سے آشنا نہیں ہے۔ چونکہ اس میں معرفت الٰہی کی استعداد تھی تو اس نے حامی تو بھر لی کہ میں اس بارگراں کو اٹھاؤں گا لیکن اسے سنبھالنے کے لئے اسے علوم الٰہیہ کی ضرورت تھی۔ ذاتی طور پر اس کے پاس وہ علوم نہیں تھے اور اگر انسان کو ہر ایک کو علوم عطا کر دیئے جاتے تو وہ ان کی تعبیریں مختلف کرتا اور ہر بندے کا ایک الگ مذہب ہوتا، ایک الگ طریقہ ہوتا، ایک الگ راستہ ہوتا، پھر ہر بندے میں وہ استعداد نہیں کہ وہ براہ راست اللہ سے وہ علوم حاصل کرے لہٰذا اس کے لئے تخلیقی طور پر ہی انبیاء کو بحیثیت نبی پیدا فرمایا۔ وہ تزکیہ، وہ لطافت، وہ طہارت جو کلام الٰہی کو وصول کرنے کے لئے اللہ سے علم حاصل کرنے کے لئے جس طہارت کی، جس لطافت کی، جس پاکیزگی کی ضرورت تھی وہ تخلیقی طور پر ان کے وجودہائے مبارک میں پیدا کر دی گئی۔ لہٰذا ہر دور میں انسان کی ضرورت رہی کہ وہ انبیاءؑ سے علوم سیکھے اور اس کے مطابق زندگی بسر کرے تو حق امانت ادا ہوگا۔ چونکہ ذاتی طور پر کسی کو اپنے علم پر ناز ہوتا ہے کہ وہ بڑا محقق ہے، بڑا سائنسدان ہے، بڑا طبیب ہے، بڑا اچھا ڈاکٹر ہے، تاریخ کا بڑا ماہر ہے، فلسفے کا بڑا ماہر ہے، اسی طرح مختلف بے شمار علوم ہیں، ان علوم میں وہ بہت بلند مقام رکھتا ہے۔ اس سب کے باوجود وہ علوم معرفت میں جاہل ہے۔ جب تک وہ اللہ کے نبی اور رسول ﷺ سے نہیں سیکھتا یہ ساری چیزیں مادی دنیا سے فوائد حاصل کرنے کے لئے تو ہیں۔ ایک غیر مسلم بھی، ایک کافر بھی، ایک مشین ایجاد کر سکتا ہے، گھڑی بنا سکتا ہے، ریڈیو بنا سکتا ہے، موبائل فون بنا سکتا ہے، یعنی تمام مادی چیزیں انسان کے مادی دماغ کی زد میں ہیں۔ جتنی جتنی کسی کی استعداد ہے، یا جتنا جتنا وہ اپنے دماغ کو کریدتا ہے، خرچ کرتا ہے، نشوونما کرتا ہے اسی قدر وہ مختلف علوم سیکھتا ہے۔ تو مادی علوم سیکھنے میں کوئی پابندی نہیں ہے چونکہ یہ فطری طور پر انسانی ذہن میں اللہ نے سمو دیئے ہیں، وہ ایک دوسرے سے سیکھ لیتا ہے۔ علوم معرفت جو ہیں ان کے معاملے میں سارے انسان جاہل ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔ اللہ انہیں یہ عطا فرمائے اور اللہ عطا فرماتا ہے انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اور دوسرے انسان وہ علم اپنے نبیؑ سے سیکھتے ہیں تو جو شخص اللہ کے رسول ﷺ سے طریقہ حیات سیکھتا ہے، طریقِ معرفت سیکھتا ہے، طرزِ عبادت سیکھتا ہے، عقائد سیکھتا ہے، اعمال سیکھتا ہے، وہ اس ظلم اور جہالت کی زد سے نکل جاتا ہے وہ اللہ کا مقرب ہو جاتا ہے، سیدھے راستے پہ آ جاتا ہے، وہ جاہل نہیں رہتا، وہ عالم ہو جاتا ہے اور جو زندگی گزارنے کے طریقے خود ایجاد کرتا ہے وہ ہمیشہ غلطیاں کرتا ہے آپ تجربہ کر کے دیکھ لیں کہ پوری دینا کے چنے ہوئے لوگ پڑھے لکھے دانشور جمع ہوتے ہیں ایک ادارہ بنتا ہے پھر قانون ساز پھر ملک کیلئے قانون بناتے ہیں، جب نفاذ کا وقت آتا ہے تو پتہ چلتا ہے اس میں یہ بھی خامی ہے یہ بھی خامی ہے۔ پھر اس میں ترامیم آتی ہیں، پھر انسانوں کی خواہشات غالب آجاتی ہیں، پھر اپنے مفاد کے لئے اس میں الٹی الٹی ترمیمیں کرتے ہیں یوں پوری دنیا میں کشاکش چلتی

رہتی ہے، کوئی اس کے خلاف جلوس نکال رہا ہے کوئی اس کے حق میں جلوس نکال رہا ہے، کوئی لڑ رہا ہے، کوئی مر رہا ہے لیکن جو قانون اللہ نے عطا فرمایا چند لوگوں کے لئے نہیں تھا۔ کیسی عجیب بات ہے کہ جزیرہ نمائے عرب کا تو اپنا ایک ماحول تھا ایک اپنا موسم تھا ان کی مخصوص ضروریات تھیں وہ تو چند کھجوروں پر بھی دن بسر کر جاتے تھے اونٹنی کا دودھ مل گیا تو اس پہ بھی بسر ہو جاتا تھا وہ عجیب طرح کے لوگ تھے زندگی عجیب طرح کی تھی ان میں تو یہ استعداد نہیں تھی کہ ایسا قانون بنا دیتے کہ ساری دنیا کے لئے اور قیامت تک کے سارے زمانوں کے لئے یکساں مفید ہوتا اور حتمی ہوتا۔ یہ تو ایک ہستی نے یعنی رسول ﷺ نے فرمایا کہ یہ بات میری بھی نہیں ہے، اللہ نے مجھ پر نازل فرمائی ہے۔ یہ کام اس کا ہے جس کے سارے جہان ہیں اور مخلوق جس کی ہے اس نے مخلوق خود پیدا کی، ان کی ضروریات خود پیدا فرمائیں، تکمیل کے ذرائع خود پیدا فرمائے۔ پھر انسان سے کہا کہ یہ شیشہ گہہ حیات ہے، اس میں شیشے لگ بھی سکتے ہیں، ہاتھ کٹ بھی سکتے ہیں، چہرے پھٹ بھی سکتے ہیں، زخمی بھی ہو سکتے ہیں۔ اسے ذرا سلیقے سے استعمال کرو۔ اگر توڑ پھوڑ کرو گے تو کتنے لوگوں کو کرچیاں چبھیں گی، کتنی مخلوق کو پریشانیاں ہوں گی، تو اس کارگاہِ حیات میں طریقہ سلیقہ اور راستہ اس نے بنا دیا جو اس کارگاہِ حیات کا خالق و مالک ہے۔ اور کیسا عجیب طریقہ ہے کہ چودہ صدیاں بیت گئیں اس میں کسی حکم، کسی ترمیم کی ضرورت نہیں پڑی۔ اور روئے زمین پر قابلِ عمل ہے اور الحمد اللہ روئے زمین پر مسلمان موجود ہیں ہر ملک میں، ہر موسم میں، ہر جگہ اللہ کی عبادت بھی کرتے ہیں، حلال کھاتے ہیں اور نکاح طلاق اور زندگی کے سارے مسائل اور کہیں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی، یعنی زندگی کا ہر مسئلہ دین کے مطابق ہوتا ہے۔ ہر جگہ، ہر ملک میں، ہر قوم میں، لوگوں کے چہرے مختلف ہیں، رنگ مختلف ہیں، قد مختلف ہیں، عادتیں مختلف ہیں، مزاج مختلف ہیں، زبان مختلف ہے، غذا مختلف ہے، بسا اوقات ایک دوسرے کے برعکس ہوتا ہے مثلاً بنگال میں اگر کوئی بیمار ہو جائے تو اسے ہلکی غذا کے طور پر روٹی دی جاتی ہے، جبکہ پنجاب وغیرہ میں ہلکی غذا کے طور پر چاول اُبال کر دیئے جاتے ہیں۔ کتنا عجیب تضاد ہے کہ ہمارے ہاں کسی کو بخار ہو جائے تو کہتے ہیں کہ روٹی نہ دو یہ جلدی ہضم نہیں ہوتی اسے چاول ابال کر دے دو، ان کے ہاں کسی کو بخار ہو جائے تو کہتے ہیں کہ اسے آج چاول نہ دو اسے گندم کا پھلکا بنا کر دو۔ اس سب کے باوجود کلمہ ایک، اذان ایک، نماز ایک، حلال حرام ایک، نکاح طلاق ایک، اس میں تو کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔

بڑی بحثیں ہوتی ہیں کہ مشرقی پاکستان آزاد کیوں ہوا؟ کوئی کہتا ہے کہ ہندوستان کی سازش تھی، کوئی کہتا ہے فلاں کی تھی، کوئی کہتا ہے کہ پیپلز پارٹی نے خرابی کی، کوئی کہتا ہے جماعت اسلامی نے خرابی کی لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کو اکٹھا رکھنے والی طاقت جسے Binding Force کہتے ہیں وہ ہے دین۔ اسلام وہ طاقت ہے جو ہم سب کو یکجا رکھتی ہے۔ تو جب نصف صدی تک انگریز کا کالونیل سسٹم Colonial System، غلامانہ نظام جاری رکھا گیا اور اسلام کی طرف کوئی مائل نہ ہوا تو لوگوں کو یکجا رہنے کی ضرورت نہ رہی۔ انہیں ایک ہزار میل کے فاصلے سے ساتھ رہنا گوارا نہ رہا اور وہ لوگ الگ ہو گئے اور اب جو ہمارے ملک میں خانہ جنگی اور دہشت گردی ہو رہی ہے اس کا بنیادی سبب بھی یہی ہے کہ انگریز نے ایک نظام بنایا تھا جس میں ملک کو اس نے فتح کیا تھا ان لوگوں کو اس نے غلام بنایا اور ایک کالونیل سسٹم Colonial System، ایک غلامانہ نظام ترتیب دیا، نظام تعلیم سے لے کر عدلیہ تک نظام سلطنت تک باقی ایسا نظام بنایا جس کا بنیادی نکتہ یہ تھا کہ ساری مشقت غلام کرے اور سارا پھل حکمرانوں کو جائے گا محنت غلاموں کی ہوگی جو کچھ حاصل ہوگا مالک کا ہوگا۔ 61 برس

ہو گئے بڑے نعرے لگتے ہیں ہم آزاد لوگ ہیں۔ یوم آزادی مناؤ اور یہ کرو، وہ کرو، کہاں آزاد ہو گئے؟ وہی انگریز کا بنایا ہوا غلامانہ نظام ہے۔جس میں ہم غلام ہیں اور ملک کے چند لوگ انگریزوں کی بجائے اوپر چند خاندان حکمرانی کرتے ہیں، وہ عیش کر رہے ہیں، ان کے کتے بھی بسکٹ کھاتے ہیں، بھلا گھٹیا بسکٹ تو نہیں کھاتے اچھی قسم کے کھاتے ہیں، گھٹیا تو چھوڑ دیتے ہیں۔اور ہمارے ہاں انسانوں کو بھی گھونٹ پانی کا نہیں ملتا۔انگریز کے زمانے میں برصغیر میں انگریز سے کوئی جرم ہوتا تھا تو اس کے خلاف شکایت برطانیہ درج ہوتی تھی اور برطانوی عدالتوں میں اس پر مقدمہ چلایا جاتا تھا۔ایسا کیوں ہوتا تھا؟اس لئے کہ یہاں کی عدالتیں غلاموں کے لئے بنائی گئی تھیں اور انگریز تو آزاد ملک کا شہری ہے اس لئے اس کا مقدمہ آزاد ملک میں چلتا تھا، تو اب تک ہم پر وہی جور و جفا اور ظلم و ستم چل رہا ہے۔ کچھ لوگ گھبرا کر اس نظام کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے ہیں انکا اٹھ کھڑے ہونے کا انداز نامناسب سہی، جاہلانہ سہی، ان کا بندوق اٹھانا ناروا سہی لیکن کوئی اس کے سبب کو نہیں تلاش کرتا کہ لوگ کیوں بندوق اٹھا کر کھڑے ہو جاتے ہیں؟ کیوں ایک دوسرے کو قتل کرنے کے درپے ہیں۔اس کی بنیاد یہی غلامانہ نظام ہے اور حکمران ہیں کہ نہ سمجھتے ہیں اور نہ سمجھنا چاہتے ہیں ۔یہ جاہلیت کا خاصہ ہے کہ ہر جاہل اپنی لاعلمی کے باوجود حق سمجھتا بھی نہیں اور سمجھنا چاہتا بھی نہیں۔ظالم وہ ہوتا ہے جو سمجھنا چاہتا بھی نہیں تو کیا ہمارے ہاں ہمارے ارباب بست وکشاد اس بات کو سمجھنے پر آمادہ نہیں یا جو کچھ کر رہے ہیں وہ حق ہے؟

بنیادی طور پر انسان جب علوم الٰہیہ سے الگ ہوتا ہے تو اپنی ذات میں جاہل اور غلط کار رہ جاتا ہے اس کا عادل ہونا اس کا عالم ہونا مشروط ہے۔ علوم الٰہیہ سے جو حاصل ہوتے ہیں بارگاہ نبوت و رسالت ﷺ سے فرمایا گیا کہ میں نے اس میں استعداد دی تھی، ہمت دی تھی یہ توفیق پیدا کر دی تھی اور ہر انسان بنیادی طور پر وہ جنگل میں ہے یا شہروں میں اس کی بنیادی سوچ یہ ہوتی ہے کہ اللہ کون ہے؟ کہاں ہے؟ اللہ کیسا ہے؟ اس کی ذات کیسی ہے؟ اس کی صفات کیسی ہیں؟ یہ سوال ہر انسان کے دل میں پیدا ہوتا ہے، کسی فرشتے کے دل میں نہیں آتا۔وہ صرف حکم سنتے ہیں اور اس کی تعمیل بجالاتے ہیں، کسی جانور، کسی درخت، کسی پیڑ، کسی آسمان، کسی زمین کی دوسری مخلوق یا خود زمین و آسمان کو یہ خیال نہیں سوجھتا۔ اللہ کی ساری مخلوق میں حیات ہے۔وہ بے حس ہے یا بے زبان وہ اللہ کے لئے تو مخلوق ہے۔اس کے ساتھ تو وہ ساری اسی طرح ہمکلام ہے۔ انسان کے ذہن میں یہ سوال آتا ہے کہ تخلیقی طور پر اس میں وہ استعداد ہے اور وہ معرفت الٰہی کو پا لیتا ہے لیکن اس دار دنیا میں مادی آنکھوں میں وہ قوت نہیں ہے کہ دیدار باری کر سکے۔ ان کانوں میں اس سماعت میں وہ جرأت نہیں کہ کلام الٰہی سن سکیں۔ یہ سارے اس ہستی ﷺ کے محتاج ہیں جس کو نور نبوت عطا ہوا۔ لیکن آخرت میں ان تمام لوگوں کو جن کی نجات ہوگی یہ استعداد نصیب ہوگی کہ وہ دیدار باری کر سکیں اور کلام باری بھی سن سکیں۔ جنت میں اللہ سے ہمکلام بھی ہوں گے اور اللہ کا دیدار بھی کر سکیں گے۔ چونکہ تخلیقی طور پر اس میں استعداد موجود ہے اگر اس دنیا میں اسے ضائع کر دیا تو وہاں کیا ہوگا۔ ایسے لوگ وہاں کہیں گے کہ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا (سورۃ طٰہٰ آیت 125) اللہ تو نے تو میری بینائی چھین لی، دنیا میں تو میری بینائی ٹھیک تھی۔ فرمائے گا ہم نے نہیں چھینی تم دنیا میں اس پر ظلم اور جور و جفا اور کفر و شرک کی غلاظتیں تھوپتے رہے تو بینائی ختم ہو گئی تم نے ضائع کر دی ہم نے نہیں چھینی۔ یہ تو تمہارے اپنے کرتوت ہیں تو اندھا پن یہی ہو گا کہ دوزخ تو نہیں نظر آ رہا ہو گا، عذاب تو نظر آ رہے ہوں گے دوزخ کی اذیتیں تو محسوس کر رہے ہوں گے اس معاملے میں اندھے ہوں گے کہ اللہ کا دیدار کر سکیں۔ اللہ کی نعمتوں کو دیکھ سکیں۔ تو بنیادی طور پر

ذاتی طور پر انسان کے پاس استعداد معرفت ہے لیکن علم معرفت کے لئے وہ نبی علیہ السلام کا محتاج ہے۔موسیٰؑ کے زمانے کے ایک دانشور نے کہا کہ موسیٰؑ جو کچھ کہتے ہیں بہت اچھی باتیں ہیں۔اور اتنی اچھی باتیں کرتے ہیں کہ ان کی نبوت پہ یقین آجاتا ہے۔واقعی وہ نبی ہی ہوں گے۔لہٰذا ان پڑھ لوگ اور جاہلوں کو چاہیے کہ ان سے سیکھیں ہم تو پڑھے لکھے لوگ ہیں ہمیں کیا ضرورت ہے؟ ہم تو خود جانتے ہیں حالانکہ وہ کچھ نہیں جانتا تھا جو وہ جانتا تھا وہ مادی علوم تھے معرفت الٰہیہ کے بارے میں وہ بھی اتنا ہی جاہل تھا جتنے اور لوگ تھے۔تو انسان کو تعلیمات نبوت ﷺ کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی انسان کو آکسیجن کی ضرورت ہے، جتنی دل کی دھڑکن کی ضرورت ہے۔اگر وہ ادھر سے آنکھ بند کر لے تو پھر خواہ بے شمار دنیوی علوم کا ماہر بھی ہو وہ جاہل ہے اور اگر جاہل ہے تو پھر اُلٹے کام ہی کرے گا۔آپ اپنے ارباب بست وکشاد کا کردار اور حال دیکھ لیں اور کسی عام شہری سے پوچھ لیں جس کا کسی سیاسی جماعت یا سیاست سے تعلق نہیں وہ بھی چیخ رہا ہوگا کہ جی ظلم کر رہے ہیں اور یہ صرف ارباب بست وکشاد ہی نہیں آپ نیچے تک چلیں ایک عام آدمی کا رویہ اس کا سلوک دیکھ لیں چھوٹی سی چیز چوری کر لے گا۔ اصل پیسے اور ہوں گے اور زیادہ پیسوں پر چیز بیچ دے گا، چیز دے کر پیسے لے لے گا لیکن اس کی کوالٹی اچھی نہیں ہوگی، جو بتایا ہوگا، وہ نہیں ہوگی، وزن میں کمی کر دے گا، یعنی جتنا جس کا بس چلتا ہے اتنا ظلم وہ کر لیتا ہے۔ہر وہ بندہ جو علوم نبوت ﷺ سے بے بہرہ ہے وہ دنیا کے کسی ملک میں ہے کسی قوم میں ہے کہیں بھی ہے ہر بندہ زیادتی بھی کرتا ہے اور پھر سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ خالق حقیقی کے علم سے بے بہرہ ہے، اس سے نا آشنا ہے، جس نے بے پناہ نعمتیں دی ہیں جس نے نورِ نبوت ﷺ عطا فرمایا جس نے اپنی کتاب عطا فرمائی۔ساری زندگی اس کی طرف توجہ نہ کرنا یہ کیا کم ظلم ہے؟ بجائے خود یہ بہت بڑا ظلم ہے اور بہت بڑی جہالت ہے۔اس کی تعبیر میں لوگوں نے بہت سی باتیں ارشاد فرمائیں لیکن ایک عام فہم ایک عام آدمی کے سمجھنے کے لئے اسے سلیس کر کے کہا گیا جو میں نے عرض کیا یہی اس کا مفہوم بنتا ہے۔جو اہل علم کی باتیں ہیں وہ شاید ہماری سمجھ سے بالاتر ہیں۔کیا کیا تعبیریں کی گئی ہیں وہ ان کی علمی استعداد ہے۔اور عام آدمی کی سمجھ سے بالاتر ہے اس کی اصطلاحات ہی اتنی مشکل ہوتی ہیں عربی فارسی کی کہ وہ سمجھ نہیں آتیں۔اصل سادہ سی بات یہ ہے کہ اللہ کریم نے یہ بار گراں کہ مجھے جانو میں کون ہوں؟ میں کیسا ہوں؟ اس کی استعداد صرف انسان کو عطا کی اور اس کی پہچان کروانے کے لئے اللہ نے انبیاء کرام مبعوث فرما دیئے۔ اور نبی کریم ﷺ کو رحمۃ اللعالمین مبعوث فرما کر رہتی دنیا تک کی انسانیت کے لئے معرفت الٰہی کا در وا کر دیا۔حدیث قدسی ہے کہ اللہ پاک فرماتے ہیں: میری ذات تو ازل سے موجود تھی پھر میں نے مخلوق پیدا کی بے شمار مخلوق تھی لیکن مجھے کوئی نہیں جانتا تھا سب میرے حکم کے پابند تھے، میری طرف کسی کی نگاہ نہیں اٹھتی تھی، میں ایک خفیہ خزانہ تھا، کُنتُ کَنزاً مخفیاً مجھے یہ بات پسند آئی کہ کوئی تو میرا جاننے والا ہونا چاہیے یعنی ساری مخلوق میں میری طرف نگاہ اٹھانے کی جرأت کسی میں نہیں ہے۔کوئی مجھے جانے، کوئی مجھے پہچانے پھر پہچانے گا تو وہ میرے لئے بیقرار ہوگا، میرے لئے تڑپے گا، میرے دروازے پہ روئے گا، مجھے دیکھنا چاہے گا، تو مجھے یہ بات بڑی اچھی لگی کہ کوئی تو میرے لئے بھی بیقرار ہوگا، کُنتُ کَنزاً مخفیاً مجھے یہ بات پسند آئی کہ کوئی مجھے جانے بھی کوئی ایک مخلوق تو ایسی ہو جو میری ذات کو پانے کیلئے بیقرار ہو جائے۔تو میں نے انسان پیدا کر دیا، تو مقصد تخلیق ہی انسانیت کا یہ ہے کہ وہ معرفت باری حاصل کرے۔اب ذاتی طور پر اس کے حصول کا کیا طریقہ ہے؟ اللہ کون ہے؟ کیسا ہے؟ اللہ کی صفات کیا ہیں؟ ذات کیا ہے؟ یہ تخلیقی طور پر اس کے پاس نہیں ہیں۔ہاں حاصل کر سکتا ہے اس لئے کہ یہ بتانا کہ میں کون ہوں؟ کیا ہوں؟ یہ اللہ ہی کا

کام ہے۔مخلوق اسے Describe نہیں کر سکتی۔مخلوق جتنا بھی کرے گی دائرہ تخلیق کے اندر ہوگا اور وہ خالق ہے وہ دائرہ تخلیق سے باہر ہے، دائرہ تخلیق کے اندر تو جو بھی سمو جائے وہ تخلیق ہوگا۔ لہٰذا مخلوق اس کی ذات کے بارے رائے نہیں دے سکتی، صفات کے بارے نہیں رائے دے سکتی، وہ خود ہی بتا سکتا ہے اور خود جسے بتائے گا اس میں اس درجے کی لطافت اور پاکیزگی اس درجے کی وہ نظافت ہوگی وہ فرشتوں میں بھی نہیں ہوگی۔ ورنہ فرشتوں سے بھی کلام الٰہی ہوتا، فرشتوں کو بھی دیدار باری ہوتا، فرشتوں میں بھی نہایت معزز اور فرشتوں کے رئیس سردار جبرائیل امین نے کہہ دیا سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچ کر کہ یا رسول اللہ ﷺ میری حد آگئی اس سے آگے میں نظر بھی نہیں دوڑا سکتا۔

اگر یکسرِ موئے برطرف برم
فروغِ تجلی بسوزد پرم

میں اس سے سرِ مو آگے بڑھوں تجلیات باری میں جل کر خاک ہو جاؤں اس سے آگے میری قوت برداشت نہیں ہے۔ اور وہ خیر البشر محمد رسول اللہ ﷺ ہی تھے جو نہ جانے جتنا انکے رب نے چاہا تو فطری استعداد تھی اور وہ فرشتوں میں نہیں تھی۔ یہ خاصہ اللہ نے انبیاء کو دیا اور انبیاء نے ساری زندگی لوگوں کو یہ نصیحت دینے پر اور پہنچانے پر صرف کر دی۔ ساڑھے نو سو سال حضرت نوحؑ دعوت الی اللہ دیتے رہے۔ ساڑھے نو سو سال اور قوم مخالفت کرتی رہی، تکلیفیں دیتی رہی، مذاق اُڑاتی رہی۔ ساڑھے نو سو سال کتنا عرصہ بنتا ہے؟ اور فرماتے ہیں کہ جب کشتی میں سوار کئے گئے، 80 کے قریب لگ بھگ مرد و خواتین تھے جو ساڑھے نو سو سال میں ایمان لائے لیکن انہوں نے حوصلہ نہیں ہارا، تھکے نہیں، اپنے کام سے پیچھے نہیں ہٹے۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ کسی نبیؑ پر اتنی تکلیفیں نہیں آئیں جتنی مجھے پیش آئیں۔ کوئی نبیؑ آپ ﷺ کی شان کا بھی تو نہیں تھا۔ کسی نبیؑ کے سامنے اتنی وسیع دعوت بھی نہیں تھی کہ روئے زمین کی ساری انسانیت کو دعوت دے۔ جتنا بڑا کام ہوگا اتنا بڑا ہی بوجھ بھی ہوگا۔ لیکن آپ ﷺ پوری دنیوی حیات مبارکہ اپنا کام کرتے رہے، دعوت دیتے رہے، لوگوں کو علوم نبوت تقسیم فرماتے رہے، دعوت دیتے رہے، ہر کافر و مشرک کو بھی پکارتے رہے کہ توبہ کر لو اور واپس آجاؤ اور جو آیا اسے گلے لگا لیا۔ تو بنیادی طور پر معرفت الٰہی کا بوجھ تو انسان نے اٹھا لیا اور اللہ بے نیاز ہے وہ جانتا ہے کس نے کیا کرنا ہے؟ لیکن اس نے اپنے علم پر فیصلے نہیں فرمائے، اس لئے اس نے انسانوں کو مہلت دی۔ کراماً کاتبین مقرر کئے کہ ان کے اعمال لکھتے رہو۔ قیامت کو پیش کر دینا وہ بندے کو موقع دیئے رکھتا ہے آخر میں پوچھے گا کہ بتا تو نے کیوں کیا؟ کیا جواز ہے تیرے پاس؟ کیا دلیل ہے یہ سب کچھ بھی نہ کرے تو بھی وہ جانتا ہے لیکن بندوں پر حجت قائم کرنے کے لئے اس نے یہ نظام بنا دیا وہ جانتا تھا کہ زمین و آسمان میں جو دوسری مخلوق ہے میں نے اسے استعداد ہی نہیں دی تو وہ اٹھائے کیسے؟ لیکن ان پر پیش کیا کہ فرد حشر میں یہ نہ کہیں کہ یا اللہ تو نے اس مخلوق کو دے دیا اس نے اس کی قدر ہی نہ کی۔ ہم کو دیا ہوتا تو ہم اس کی قدر کرتے۔ اب حشر میں یہ تو نہیں کہہ سکتے اس لئے کہ سب پر پیش کیا تھا کہ کسی میں جرأت ہے تو سنبھالو سب نے معذرت کر لی۔ انسان نے سینے سے لگا لیا اور کہا کہ میں اسے اٹھاؤں گا۔ ذاتی طور پر اسے کام کرنے کا سلیقہ بھی نہیں آتا کہ وہ ظالم بھی ہے اور علم بھی نہیں ہے اور جاہل ہے۔ یعنی اگر بار امانت اٹھا لیا تو اسے چاہیے کہ اسے سنبھالنے کا سلیقہ اللہ سے سیکھے۔ اللہ سے سیکھنے کا دروازہ ہے اللہ کا رسول ﷺ۔ لہٰذا علوم نبوت ﷺ حاصل کرے اور اس کے مطابق عمل کرنے سے اس امانت کا حق ادا ہوگا۔ اگر ایسا نہیں کرے گا تو ظلم کرے گا، جہالت کی وجہ سے کرے گا اور اس کے نتائج دنیا میں تو بھگتے گا ہی آخرت میں بھی بھگتنا پڑیں گے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سوال و جواب رمضان المبارک

امیر محمد اکرم اعوان 09-09-15

سوال: احباب کی اکثریت مہر نبوت والا بیج لگا کر بیت الخلاء جاتی ہے ایسا کرنے سے مہر نبوت کا زبردست تقدس مجروح ہوتا ہے۔

جواب: اچھی بات یہ ہے کہ وہ اتار کے بندہ جائے یا پھر رومال وغیرہ جو اکثر احباب کے پاس ہوتے ہیں، وہ اوپر ڈال کر ڈھک دیں تو پھر جائیں اور کوئی طریقہ بھی نہ ہو تو بیت الخلاء جانے سے پہلے جیب میں رکھ لیں سادہ سی بات ہے چونکہ مسجد کے اندر قرآن مجید پڑے ہوتے ہیں اوپر کوئی لپائی کر رہا ہے تو وہ مکان اوپر الگ ہے اس طرح سے بے ادبی نہیں ہوتی۔

سوال 2: رمضان المبارک کے تین عشروں میں رحمت' مغفرت اور جہنم سے آزادی ارشاد فرمائی گئی۔ رحمت و مغفرت تو سارا سال ہے پھر رحمت اور مغفرت کو مخصوص کرنے میں کیا حکمت ہے؟

جواب: یہ سوال سے زیادہ سادگی ہے سارے انسان ایک ہی جیسے ہیں لیکن کیا نبیؑ کا کوئی ثانی ہے؟ سارے انسان ایک ہی جیسے ہیں لیکن کیا کوئی صحابیؓ بن سکتا ہے؟ سارے انسان ایک جیسے ہیں علماء ربانیین جیسے سارے ہو سکتے ہیں؟ جاہل اور عالم ایک جیسے ہو سکتے ہیں؟ اسی طرح مومن اور کافر ایک جیسے ہو سکتے ہیں حالانکہ ہیں تو سارے انسان۔ سارے دن ایک جیسے ہیں لیکن جمعۃ المبارک والے دن جو حضورِ حق نصیب ہوتا ہے غیر جمعہ میں ہو سکتا ہے؟ اسی طرح سارے مہینے ایک سے ہیں لیکن رمضان کی اپنی شان ہے وہ مہینہ ہے جس میں مخلوق اللہ کے کلام سے نوازی گئی شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ (سورۃ البقرہ 185) سارے دن ایک جیسے ہیں تو پھر آپ رمضان میں روزے کیوں رکھتے ہیں؟ تو ہر لمحے کی اپنی ایک کیفیت ہے اللہ کی رحمت عام ہے لیکن افراد میں فرق ہے، اوقات میں فرق ہے۔ لمحات میں فرق ہے، زمانوں میں فرق ہے، دنوں میں فرق ہے، راتوں میں فرق ہے۔ ایک ہی درخت سے پھل توڑیں تو ایک کا ذائقہ اور ہوتا ہے دوسرے کا اور ہوتا ہے ایک ذرا میٹھا ہوتا ہے ایک ذرا کچا ہوتا ہے۔ تو یہ بڑی عام سی بات ہے کہ جن ایام کو اللہ کریم نے خصوصیت دی ہے اس میں خصوصیت ہے۔ ہفتے کے سارے دن ہیں لیکن کوئی دن جمعہ کا ثانی تو نہیں اسی طرح سارے مہینے ہیں لیکن رمضان المبارک کا تو کوئی ثانی نہیں تو یہ سوال سے زیادہ سادہ سی بات ہے رمضان کو برکات سے نوازا ہے یہ واحد مہینہ ہے جس میں انسان' انسان ہوتے ہوئے اوصاف ملکوتی کے حصول کی کوشش کرتا ہے نہ کھانا نہ پینا اوصاف ملکوتی ہیں فرشتوں کے اوصاف ہیں بندہ ان اوصاف کے حصول کی محنت کرتا ہے اور ترقی درجات بھی ہوتی ہے تلافی مافات بھی ہوتی ہے جو کوتاہیاں ہوئی ہیں اللہ کریم معاف فرماتے ہیں جو طلب اور آرزو ہو اسے پورا فرماتے ہیں یہ کوئی سوال بنتا نہیں۔ سوال نہ بنایا کریں عام سی بات ہے ہر بندہ جانتا ہے انسانی زندگی ایک عام سی چیز ہے اور روٹین میں گزر جاتی ہے، مالداروں کی بھی بسر ہو جاتی ہے اور ناداروں کی بھی بسر ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات ہوتا یہ ہے کہ بڑے آسودہ حال لوگ دنیوی آسودگی کے باوجود غضب الٰہی کا شکار ہو جاتے ہیں اور قرب الٰہی سے محروم ہو جاتے

ہیں بعض اوقات بڑے نادار اور غریب قسم کے لوگ بظاہر دنیوی اعتبار سے جن کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی اللہ کی بارگاہ میں بڑی حیثیت پا جاتے ہیں۔ان کا تعلق، ان کی کیفیت ایمانی، ان کا کردار ان کا خلوص وہ انہیں کہیں سے کہیں لے جاتا ہے تو دنیا تو ایک حجاب ہے ہر چیز لفافے میں بند ہے اس کے اندر حقیقت کیا ہے؟ کسی پر سنہری لفافہ ہے اور وہ کھولیں گے تو اندر خرافات نکلیں گی کسی پر عام سا لفافہ ہو وہ کھولیں گے تو اندر سے جواہرات نکلیں گے یہ تو میدان حشر میں کھلیں گے تو وہاں جا کر پتہ چلے گا کہ کیا کھویا کیا پایا؟ رمضان المبارک کی تعریف خود اللہ کریم نے فرمائی ہے شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ (سورۃ البقرہ 185) یہ ایسا مبارک مہینہ ہے جس میں بندوں کو خطاب الٰہی سے نوازا گیا یہ بہت عظیم بات ہے یہ بہت بڑی بات ہے۔ نبی کریم ﷺ کے ارشاد عالی کا مفہوم ہے کہ کوئی اللہ سے باتیں کرنا چاہے کسی کا دل چاہے کہ میں رب العالمین سے بات کروں فرمایا فَلْیَقْرَاَ الْقُرْاٰن اسے قرآن پڑھنا چاہیے اور قرآن کی نعمت کا نزول جو ہے وہ لیلۃ القدر کو لوح محفوظ سے آسمان دنیا میں منتقل ہوا اور پھر رمضان ہی میں زمین پہ نزول قرآن شروع ہوا۔حضور اکرم ﷺ کی ولادت مبارک تو ربیع الاول میں ہے لیکن نزول وحی رمضان میں ہوا عمر مبارک چالیس سے کچھ مہینے زائد ہو چکی تھی ربیع الاول اور رمضان میں فرق لگ بھگ چھ مہینے کے برابر ہے۔ تو جب کوئی کسی سے بات کرتا ہے تو اس گفتگو کے وقت کلام کرنے والے اور جس سے گفتگو کر رہا ہوتا ہے اس کے درمیان بہت انتہائی قرب ہوتا ہے کوئی تیسرا شخص درمیان میں نہیں ہوتا اللہ کریم نے جب اپنے بندوں سے کلام فرمایا تو اس کیلئے رمضان المبارک کو پسند فرمایا چونکہ رمضان المبارک میں بندے بھی فرشتوں جیسی عادات، عادات ملکوتی کے حصول میں لگے ہوتے ہیں، عبادات کرتے ہیں شیاطین قید ہو جاتے ہیں سارا سال تو قید نہیں ہوتے تو بے پناہ برکات ہیں رمضان المبارک کی اور بے پناہ خصوصیات ہیں۔ رحم کرنا بخش دینا یہ اس کا اپنا کام ہے کسی کے مشورے کا نہ محتاج ہے نہ کسی کی سفارش کا اور بہت بڑا کریم ہے اور جتنی مخلوق پہ مصیبتیں آتی ہیں یا آخرت میں جتنا عذاب ہوگا فرما دیا اللہ کریم نے کہ اللہ کریم کسی پر زیادتی نہیں کرتے۔ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (سورۃ العنکبوت) یہ خود انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اللہ کریم کی نافرمانی کر کے اللہ کریم سے دور رہ کر اتباع رسالت پناہی ﷺ نہ کر کے انہوں نے خود اپنی ذات پر ظلم کیا ہے وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ (سورۃ العنکبوت) اللہ کو تو یہ زیب ہی نہیں دیتا کہ خالق ہو کر مخلوق کے ساتھ زیادتی کرے ہم بھی مخلوق ہیں اور یہ ایک رینگنے والی چیونٹی ہے یہ بھی مخلوق ہے ہم نے کبھی سوچا ہے کہ ہم لاٹھی لے کر نکلیں اور چیونٹیوں کو سزا دیں۔نہیں۔ اگر کوئی ایسی بات کرے وہ چھڑی لے کر پھرتا ہو اور چیونٹیاں تلاش کرتا ہے تو لوگ کہیں گے پاگل ہے اس کا دماغ خراب ہے چیونٹی کی کیا حیثیت ہے اور تو کہاں لٹھ لئے پھرتا ہے تو کیا وہ ایک جیسی مخلوق ہے؟ وہ ذات بے نیاز خالق ہے۔ خالق اور مخلوق کا تو کوئی مقابلہ نہیں اس کی عظمت کو کب زیب دیتا ہے کہ وہ بندوں کا شکار کرتا پھرے یہ تو بندے ہیں جو اپنے لئے مصیبتیں کھڑی کرتے ہیں۔ مادی صحت کے بارے میں تو ہم جانتے ہیں کہ فلاں چیز موافق ہے فلاں چیز نہیں ہے کوئی تکلیف ہو تو ڈاکٹر سے طبیب سے رجوع کرتے ہیں وہ بتا دیتا ہے کہ بادی چیزیں نہ کھاؤ تو ہم چھوڑ دیتے ہیں گرم چیزیں نہ کھاؤ تو ہم چھوڑ دیتے ہیں تو مرغ کا گوشت نہیں کھانا، آم نہیں چوسنے تو ہم چھوڑ دیتے ہیں۔ گرمیوں کا سب سے بہترین فروٹ ہوتا ہے ڈاکٹر منع کر دیتا ہے ہم نہیں کھاتے، سب سے اچھا گوشت ہوتا ہے وہ ہم نہیں کھاتے، کیوں؟ وہ کچھ ایسی خرابی پیدا کرے گا جس سے ہمیں تکلیف ہوگی یہی عالم کردار کا بھی ہے انبیاءؑ ارشاد فرماتے ہیں علماء حق ان کے نائبین ہیں وہ انبیاءؑ کی تعلیمات کے مطابق ہمیں بتاتے ہیں کہ یہ کام کس طریقے سے کرنا ہے اور یہ کام

نہیں کرنا۔ اب اگر ہمیں جو غذا منع کی گئی وہی کھائیں گے تو بیمار ہوں گے یہ قدرتی ان کا نتیجہ ہے وہ کام جن سے روکا گیا ہے وہ کریں گے تو تکلیف آئے گی، دکھ آئے گا، عذاب آئیں گے، تو یہ تو ہوتا ہے۔ اب سب سے بڑا دکھ جو ہوتا ہے، جو تکلیف ہوتی ہے یہ ضروری نہیں کہ یہ ہمیں نظر آئے یا نہ آئے۔ سب سے بڑی تکلیف رحمت الٰہی سے محرومی ہے کہ اللہ کریم اس پر رحمت کے دروازے بند کردیں۔ بعض اوقات بات یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ توبہ کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں، ہماری نظر مادی چیزوں پر ہوتی ہے۔ میں اگلے دن ہی دیکھ رہا تھا کہ نبی کریم ﷺ تشریف فرما تھے سیدنا ابوبکر صدیقؓ حاضر ہوئے اور آپؓ نے ایک ہی کمبل کا کرتا بنایا ہوا تھا درمیان سے کاٹ کے سر نکالا ہوا تھا کیکر کے کانٹے اس کے کناروں میں پرو کے اسے بند کیا ہوا تھا جبرائیل امینؑ نازل ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ یہ ابوبکر صدیقؓ نے کیا حال بنا رکھا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ان کے پاس جو کچھ بھی تھا انہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد میں سب کچھ پیش کردیا ان کے پاس اس کمبل کے سوا کچھ بھی نہیں تو انہوں نے عرض کیا کہ مجھے اللہ کریم نے بھیجا ہے کہ آپ ﷺ کو سلام عرض کرکے ابوبکر صدیقؓ کو اللہ کا سلام پہنچاؤں اور یہ پوچھ کر آؤں کہ وہ اس حال میں مجھ سے راضی ہیں؟ نبی کریم ﷺ نے سیدنا ابوبکر صدیقؓ کو یہ بات ارشاد فرمائی اور وہ کہنے لگے یارسول اللہ ﷺ ایسے بھی ہوسکتا ہے کہ میں اپنے پروردگار سے ناراض ہو جاؤں یہ کیسے ممکن ہے؟ پھر تین دفعہ فرمایا انا رَضِیْتُ رَبِّیْ رَاضِیاً اب ظاہری آنکھ ایک شخص کو دیکھتی ہے کہ اس کے پاس جوتا نہیں ہے شلوار قمیض نہیں ہے ایک پرانا کمبل ہے اور اس میں کانٹے لگا کر اپنا بدن ڈھانپا ہوا ہے ظاہری نگاہ میں اس کے پاس کیا ہے؟ لیکن اس حال میں وہ اللہ کے اس قدر قریب ہے کہ روح الامین کو بھیج کر اللہ کریم پوچھ رہا ہے کہ اس سے پوچھ کہ یہ خفا تو نہیں مجھ سے کوئی سوچ سکتا ہے؟ تو بظاہر کچھ نظر آتا ہے حقیقت کچھ اور ہوتی ہے۔ کسی کو چیزوں کی، کسی کو سارے جہانوں کی، سلطنت بھی مل جائے سارے محلات بھی مل جائیں یہ منصب جلیلہ کہاں سے ملے گا اللہ کریم بھی اس کی مزاج پرسی کریں تو یہ کیفیات بھی اسی طرح ہوتی ہیں کہ اب ان کے دل نے مانا کہ اگر جہاد کے لئے دینا ہے تو باقی بچا کے کیوں رکھیں ان کا تعلق تھا حضور اکرم ﷺ کے ساتھ اللہ کے ساتھ تو چیزیں بظاہر کچھ نہیں آتی ہیں نتائج کے اعتبار سے کچھ اور ہوتی ہیں۔ حالات بظاہر کچھ نظر آتے ہیں حقیقت میں کچھ اور ہوتے ہیں تو اسی سلسلے میں بعض امور معاملات میں عبادات میں، بعض اوقات میں انتہائی قرب الٰہی نصیب ہوجاتا ہے بعض امور ایسے ہوتے ہیں کوئی کام ایسا ہوجاتا ہے جس سے اللہ کریم بڑے راضی ہوجاتے ہیں تو یہ چیزوں کی تقسیم ہے اللہ کی دنوں پر بھی زمانوں پر بھی جیسے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے وَخَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ۔ تین زمانے حضور اکرم ﷺ کا زمانہ، آپ کے ساتھ زمانہ، اس کے بعد کا زمانہ، حضور، صحابہ، تابعین، تبع تابعین یہ بہترین زمانے ہیں اب زمانہ کب سے شروع ہوا کب تک رہے گا اللہ ہی بہتر جانتا ہے کیسے کیسے اس میں انبیاءؑ و رسلؑ بھی آئے اور کیسے کیسے حکمران اور دبدبے والے بھی آئے لیکن پہلوں اور پچھلوں میں سے سب سے بہترین زمانہ حضور اکرم ﷺ کا ہے تو اس طرح سے اوقات میں ایام میں مہینوں میں دنوں میں فرق ہوتا ہے، اسی طرح زمین کے ٹکڑوں میں فرق ہوتا ہے ایک عبادت ہم باہر آکر کرتے ہیں ایک ہم مسجد میں آکر کرتے ہیں باہر کی زمین اور مسجد میں بڑا فرق ہے باہر ہم خود سے ادا کرتے ہیں۔ ہیں تو ایک ہی وقت کے وہی فرائض لیکن اجر کے اعتبار سے مختلف ہیں فرق پڑ جائے گا اللہ کی رحمت تو ایک ہی ہے مخلوق بھی ایک ہی ہے اس مسجد میں ادا کرتے ہیں مسجد نبوی ﷺ میں ادا کرتے ہیں تو ایک نماز پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے بیت اللہ شریف میں جاتے ہیں تو وہی ایک نماز ایک لاکھ کا درجہ پا جاتی ہے اوقات میں جگہوں میں دنوں میں لوگوں کی ذاتوں میں اعمال میں ہر چیز میں فرق ہوتا ہے

اور ایک دوسرے سے فضیلت ہوتی ہے اللہ کریم ان چیزوں سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہماری ساری زندگی وقتی لمحاتی آسائشوں کی تگ و دو میں گزر جاتی ہے اور یہ بھی اللہ کا احسان ہے کہ ہمیں موروثی طور پر ایمان نصیب ہو گیا ہم مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہو گئے ہیں اور لشتم پشتم ہم چل رہے ہیں عبادت کے لئے خود کو کھینچ کر لانا پڑتا ہے خود کو باندھ کے رکھنا پڑتا ہے دنیوی امور کے لئے کوئی ہمیں روکتا ہے تو بھی ہم دامن چھڑا کر نکل جاتے ہیں کہ یہ کام ضرور کرنا ہے دیکھا کتنا فرق ہے ہمارے رویوں میں تو اپنے حالات اپنے رویے دیکھ کر ہر وقت بخشش کا طالب رہنا چاہیے جو لمحات نصیب ہوں ان کی قدر کی جانی چاہیے جنہیں مسجد میں اگر نصیب ہوتے ہیں تو اسے بھاگنے کی جلدی نہیں کرنی چاہیے ان لمحات کی قدر کرنی چاہیے عبادت میں جو وقت بسر ہوتا ہے رات دن امور دنیا میں بسر ہو جاتے ہیں عبادات میں جو وقت بسر ہوتا ہے اس محدود وقت پہ انحصار ہے یا تو اگر وہ عبادت قبول ہوتی ہے تو پورے دن رات کے معمولات کو عبادت بنا لیتی ہے اگر ہم اندازہ کریں تو پانچ نمازوں میں کتنا وقت لگتا ہے باقی سارا وقت تو امور دنیا میں لگتا ہے لیکن جو وقت عبادات میں لگتا ہے اس میں حضور حق نصیب ہو تو وہ امور دنیا کو بھی عبادت الٰہی کا رنگ دے دیتا ہے چونکہ ہر کام میں پھر وہ احساس غالب ہوتا ہے کہ اس طرح سے کرنے کا حکم اللہ اور اللہ کے حبیب ﷺ نے دیا ہے تو عبادت کا حق تو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کا نام ہی عبادت ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ مومن بال بچوں کو جو روزی کھلاتا ہے اور کپڑا لتا لے کر دیتا ہے وہ سب صدقہ شمار ہوگا عرض کیا گیا وہ صدقہ کیسے ہو گیا وہ تو اس کی ذمہ داری تھی بچوں کی پرورش تو اور فرمایا اللہ کے حکم کی اطاعت ہی تو عبادت ہوتی ہے اللہ نے اس پر واجب کیا اس نے اس کی تکمیل کی تو عبادت ہو گئی تو یہ جو عبادت فرائض ہیں ان میں وہ قوت ہونی چاہیے کہ وہ ہمارے کردار کو بدل دے ہم کوئی دوا کھاتے ہیں تو دیکھنا چاہتے ہیں کہ اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ کیا اس سے افاقہ ہوا کہ نہیں اگر ہوا تو کتنی دیر بعد ہوا۔ فلاں دوائی کا کتنی دیر بعد بخار تھا اس سے کم ہوا یا چھوڑ گیا اور نہیں ہوا اسی طرح اپنی عادات کا بھی جائزہ لینا چاہیے میں نے فجر ادا کی ہے تو کیا ظہر تک میرے اس احساس کو زندہ رکھے گی کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور اللہ کی کائنات میں اللہ کے حکم کے مطابق رہنا ہے پھر ظہر پہ وہی تازگی نصیب ہو جائے گی وہی معاہدہ وہی کیفیت جس طرح جال بناتے ہیں ناں نہر میں کہ جہاں پانی تھوڑا سا آہستہ ہوتا ہے تو بنا دیتے ہیں تھوڑا سا سرپ سا جس سے پانی کو سپیڈ لگ جاتی ہے تو یہ دن میں اس طرح سے اپنی ملاقات کے لئے رکھے کہ ابھی ابھی مجھ سے مل کر جائے گا، میرے روبرو سجدے کر کے جائے گا مجھ سے اپنی گزارشات پیش کر کے جائے گا اس وقت تک وہ اثر قائم رکھے گا اور میری نافرمانی نہیں کرے گا تو ایک طرح سے مدد فرمائی انسان کی اور کرم فرمایا اور کوئی پابندی نہیں لگائی کہ کوئی غریب ہے فقیر ہے گھسنے نہیں دیتا اللہ کے گھر کا دروازہ کھلا ہے اللہ کی رحمت اس پر اس کے دروازے بند نہیں ہیں آئے اور سنت کے مطابق وضو کرئے اور اللہ کی عبادت کرئے اسی طرح مہینوں میں رمضان شریف کا مہینہ بھی ہے ایک مہینے کے لئے بندے کا اگلے رمضان تک وہ کیفیات قائم رکھے جو رمضان میں نصیب ہوئی ہیں چونکہ یہ بہت ہی بابرکت مہینہ ہے اسی میں لیلۃ القدر بھی ہے رمضان کا مہینہ بھی ہے بخشش عامہ اور دوزخ سے رہائی کے اعلانات کا مہینہ ہے تو اس انداز سے اس سے استفادہ کیا جانا چاہیے کہ آنے والے رمضان تک کردار سنت حبیب ﷺ کے سانچے میں ڈھل جائے اور اس کی برکات ایسی ہیں کہ ایک سال باقی بارہ مہینے یہ مقصد ہے اگر یہ حاصل نہ ہوا تو پھر ہم محض اداکاری کر رہے ہیں عبادت نہیں کر رہے۔ چونکہ عبادت کا خاصہ ہوتا ہے کہ وہ قرب الٰہی کی کیفیات عطا کر دیتا ہے قرب الٰہی کا خاصہ ہوتا ہے کہ وہ نافرمانی سے روکتی ہے تو اللہ کریم توفیق عطا فرمائے۔ کوتاہیوں کی معافی دے گناہ معاف فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

تصوف کی آفاقی قدریں

خالد مسعود خان

یہ مقالہ مورخہ 8 مئی 2010 کو اکادمی ادبیات پاکستان کی پنجاب شاخ کے زیر اہتمام لاہور میں ہونے والی کانفرنس "صوفی ازم کی عوامی بنیادیں" میں پڑھا گیا

ڈاکٹر نے ایکسیڈنٹ میں شدید زخمی ہونے والے مریض کو آپریشن کے چند گھنٹے بعد ہوش میں آنے پر مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ میرے پاس آپ کے لئے دو خبریں ہیں۔ ایک اچھی خبر ہے اور ایک بری خبر ہے مناسب ہے کہ میں پہلے آپ کو بری خبر سناؤں اور پھر اس خبر کے افسوسناک اثرات کو زائل کرنے کے لئے اچھی خبر سناؤں۔ بری خبر یہ ہے کہ ہم نے آپ کی متاثرہ ٹانگ کی بجائے ٹھیک والی ٹانگ کاٹ دی ہے۔ پریشان اور گھبرائے ہوئے مریض نے پوچھا کہ اچھی خبر کیا ہے؟ ڈاکٹر نے کہا کہ ہم آپ کی متاثرہ ٹانگ بلا معاوضہ کاٹیں گے اور ساتھ والے بیڈ کا مریض آپ کے بالکل بیکار ہو جانے والے جوتے خریدنا چاہتا ہے۔

میرے پاس بھی آپ کے لئے دو خبریں ہیں ایک اچھی خبر ہے اور ایک بری خبر ہے یہ محض اتفاق ہے کہ میرے پاس موجود ان دو خبروں میں بھی اچھی اور بری خبر کے درمیان تقریباً وہی تناسب اور توازن ہے جو پہلے مثال میں سمجھایا جا چکا ہے۔ سابقہ روایت کو سامنے رکھتے ہوئے مناسب ہے کہ میں پہلے آپ کو بری خبر اور پھر اچھی خبر سناؤں۔ بری خبر یہ ہے کہ یہ مقالہ بالکل ویسا نہیں ہے جیسا کہ آپ امید کر رہے ہیں اور اچھی خبر یہ ہے کہ اس مقالے کا اپنے موضوع سے کوئی خاص واسطہ نہیں ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اکادمی ادبیات پاکستان کی پنجاب شاخ کے زیر اہتمام ہونے والی یہ کانفرنس جس کا موضوع ''صوفی ازم کی عوامی بنیادیں'' ہے دراصل اس امریکی ایجنڈے کی تکمیل کے لئے کی جانے والی کوششوں اور اس مغربی پاکھنڈ کا ایک حصہ ہے جس کا دوبارہ احیاء اٹھارہ اپریل 2004ء کو جاری ہونے والی بدنام زمانہ RAND REPORT سے ہوا جس کا عنوان RESOURCES & STRATEGIES CIVIL DEMOCRATIC ISLAM-PARTNERS, ہے۔ رپورٹ مشہور قدامت پرست امریکی تھنک ٹینک RAND CORPORATION زیر اہتمام اقوام متحدہ میں سابقہ امریکی سفیر ''شیرل بینارڈ'' نے لکھی ہے۔ شیرل بینارڈ عراق میں سابق امریکی سفیر افغان نژاد امریکی زلمے خلیل زاد کی اہلیہ ہے۔ یاد رہے کہ زلمے خلیل زاد سابق امریکہ آئل ٹائیکون کے اس منصوبے کا ایڈوائزر تھا جو ترکمانستان سے پاکستان براستہ گیس پائپ لائن پر کام کر رہا تھا اور انرجی سے متعلق عالمی شہرت یافتہ کمپنی کا کنسلٹنٹ رہا ہے جو سنٹرل ایشیا کے تیل و گیس کے ذخائر کو براہ راست امریکی تسلط میں لانے کے طویل المدتی منصوبے پر کام کر رہی تھی۔ زلمے خلیل زاد اور شیرل بینارڈ کے دو بیٹے ہیں جن کے نام الیگزینڈر اور میکسی میلین ان کی مذہبی حیثیت کو واضح کرنے کے لئے کافی ہیں۔ یہ ساری تفصیلات بتانا اس لئے ضروری تھیں تا کہ آپ کو نئے استعماری حربے کے پس پشت لوگوں کا پس منظر معلوم ہو سکے جس کی بنیاد پر ہم ان کے مستقبل کے منصوبوں کو زیادہ بہتر انداز میں سمجھ سکتے ہیں۔

اس رپورٹ میں اسلام کو گیارہ ستمبر کے بعد والی دنیا کے لئے

قابل بنانے کے عالمی منصوبے کے عین مطابق ڈھالنے کی منصوبہ بندی کی گئی ہے جس کے دو نمایاں پہلو ہیں۔ پہلا یہ ہے کہ اسلام کا ایک ایسا رخ متعین کیا جائے جو بعد از نائن الیون کے مغربی ایجنڈے کے مطابق ہو اور دوسرا یہ کہ مسلم امہ میں تفریق پیدا کی جائے۔ اس بدنام زمانہ رپورٹ کے بعد دسمبر 2004ء میں اسی ''رینڈ کارپوریشن'' نے ایک اور رپورٹ بھی پیش کی جس میں سنی اور شیعہ مسلمانوں کے درمیان فقہی اختلافات کو بنیاد بنا کر ہر دو فرقوں کے درمیان اختلافات کو ہوا دینے کی منصوبہ بندی کی گئی یہ رپورٹ صدیوں سے استعماری طاقتوں کے آزمودہ اصول ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' DEVIDE & RULE کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے۔

حالانکہ صوفی ازم کی اصطلاح بظاہر ایک عام فہم اور سادہ سی بات نظر آتی ہے لیکن اس کے ظاہری مفہوم سے ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے تھوڑی سی گہرائی میں جائیں تو ایک نہایت ہی دقیق اور گنجلک سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جسے سمجھنے کے لئے طالبان علم محی الدین ابن عربی کی کتاب فصوص الحکم سے شروع ہوتے ہیں اور الفتوحات المکیہ سے ہوتے ہوئے کشف المحجوب تک کا سفر طے کرتے ہیں لیکن میرا ذاتی خیال ہے کہ صوفی ازم کو پڑھ کر اس کے قواعد بنیاد اور تفصیلات کو تو شاید کسی حد تک سمجھا جا سکتا ہے مگر اس کی منزلیں پانا کسی طور پر ممکن نہیں ہے۔ میں نے اس سلسلے میں برادر بزرگ وڈے باوے تاجی سے کئی بار اس شرط پر سوالات کئے کہ وہ مجھے تصوف کی باریکیوں اور فلسفے کی موشگافیوں میں ڈالے بغیر صرف دو سوالات کا جواب دے کہ کیا تصوف شریعت سے کوئی علیحدہ چیز ہے؟ اور کیا تصوف شریعت سے آگے کی کوئی چیز ہے یا پیچھے کی شے ہے تو وہ کوئی سیدھا اور عام فہم جواب دینے کے بجائے مجھے ہمیشہ ایسی دقیق اصطلاحوں سے مطمئن کرنے کی کوشش کرتا ہے جو میری سادہ فہم عقل سے ماورا ہے۔ میں جب بھی اس سے اس سلسلے میں قرآن وحدیث کا حوالہ مانگتا ہوں وہ مجھے محمد عربی کے بجائے ابن عربی کے حوالے سے سمجھانے کی کوشش کرتا ہے اور سرمد کے اشعار سے بہلانے کی سعی کرتا ہے۔ بقول علامہ اقبال جب آپ کسی بات کے باطنی مفہوم بیان کرنا شروع کر دیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اس بات کو جاننا ہی نہیں چاہتے۔ تصوف کے مفہوم و مطالب بیان کرنے والے انہی باطنی مفاہیم سے بات کا آغاز کرتے ہیں۔

صوفی ازم کوئی حساب کا سوال نہیں کہ اس طرح کے چار سوالات حل کر لئے اور سمجھ لیا کہ اب اس طرح کے دیگر سوالات حل کرنا بائیں ہاتھ کا کھیل ہو گیا ہے یا وہ الجبرے کا مسئلہ فیثا غورث نہیں کہ اسے رٹا لگا لیا اور پھر امتحان میں اسے حل کر کے سو بٹا سو نمبر حاصل کر لئے جائیں۔ اگر بات صرف اور صرف تعلیمات پر عمل کر کے منزل کو پانے کی ہے تو یہ وصف صرف قرآن وحدیث میں ہی ہے کہ آپ ان سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے فیض حاصل کر سکتے ہیں۔ جہاں تک صوفی ازم اور اس کی تعلیمات کا تعلق ہے تو یہ پڑھنے کی حد تک، سیمینار کروانے کی حد تک، کانفرنسیں منعقد کروانے کی حد تک اور حتیٰ کہ سر دھننے کی حد تک تو ٹھیک ہیں لیکن ان پر عمل اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کوئی صوفی باعمل رہنمائی کے لئے خود موجود نہ ہو کیونکہ صوفی اپنی تعلیمات، گفتگو اور لفاظی سے نہیں بلکہ اپنے عمل اور کردار سے متاثر کرتا ہے۔ اس کی ساری تعلیمات اس کا کردار اور عمل ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں صوفیا کی ساری تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ عوام الناس کو صوفیا نے علم سے نہیں بلکہ عمل سے متاثر کیا کہ عوام الناس کو صرف کردار اور عمل کے ذریعے ہی متاثر کیا جا سکتا ہے۔ تعلیمات شخصیت سے ہٹ کر باقی کچھ بھی نہیں رہ جاتیں۔

اگر کسی کا خیال ہے کہ صوفیا کی تعلیمات صدیوں اور عشروں بعد

بھی اسی طرح پیار، محبت، یگانگت، بھائی چارہ، تحمل اور رواداری عام کر سکتی ہیں جیسا کہ خود انہوں نے اپنے کردار اور عمل سے عام کی تھیں تو یہ ایک مکمل خوش فہمی کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے اگر صوفیاء کی تعلیمات ان کی موجودگی کے بغیر قابل عمل اور کارگر ہوتیں تو یہ معاشرہ ایک دوسری تصویر پیش کر رہا ہوتا اور خصوصاً صوفیاء کے دنیاوی وارث مخادیم اور سجادہ نشین حضرات اس کی سب سے خوبصورت مثال ہوتے۔

مگر نہایت افسوس کے ساتھ عرض کرنا پڑ رہا ہے کہ اگر ان کے مریدین کی آنکھوں سے عقیدت کی پٹی اتار دی جائے تو نوے فیصد سجادہ نشین حضرات ایسے ہیں کہ جو اپنے بزرگوں کا نام نامی روشن کرنے کے بجائے روز قیامت ان کے لئے باعث شرمندگی ہوں گے۔ اگر ان کے جد امجد آج زندہ ہو کر دوبارہ دنیا میں تشریف لانے پر قادر ہوتے تو وہ نہ صرف ان کے اعمال سے لاتعلقی کا اظہار کرتے بلکہ اگلے ہی روز اخبار میں انہیں اپنی روحانی وراثت کے علاوہ اپنی منقولہ وغیرہ منقولہ جائیداد سے عاق کرنے کا اشتہار شائع کروا دیتے۔

رینڈ کارپوریشن کی 2004ء میں پیش کردہ اس رپورٹ کے بعد دنیا بھر میں ایک بار پھر صوفی ازم کا غلغلہ مچا ہے۔ پاکستان میں پچھلے چار پانچ سالوں سے صوفی ازم کے لئے ہونے والی کاوشیں، کانفرنسیں اور سیمینار اسی مغربی ایجنڈے کا باقاعدہ حصہ ہیں۔ آج کل تصوف کی آفاقی قدروں سے مراد صوفی ازم کے فروغ کے لئے کی جانے والی وہ عالمی کوششیں ہیں جو استعمار اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لئے استعمال کرنا چاہتا ہے کیونکہ یہ بات طے ہے کہ کسی صوفی کی غیر موجودگی میں صوفی ازم سوائے خانقاہی نظام کے اور کچھ نہیں ہے اور یہ ماضی میں نوآبادیاتی نظام کے استحکام کے لئے استعمال ہوتا رہا ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں انگریزوں نے جہاں جاگیرداروں اور روسا کو استعمال کیا وہیں انہوں نے مختلف سلسلوں سے تعلق رکھنے والے صوفیاء اور بزرگان دین کے سجادہ نشینوں اور روحانی وارثوں کو پوری طرح استعمال کیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے مخادیم اور ان کے ذریعے ان کے مریدوں کو اپنے نوآبادیاتی نظام کی مضبوطی اور اپنے خلاف ہونے والی آزادی کی تحریکوں کو کچلنے کے لئے استعمال کیا۔

رینڈ کارپوریشن کی اس رپورٹ میں شیرل بینارڈ نے موجودہ اسلامی دنیا کو سوچ و فکر کے اعتبار سے چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

1۔ FUNDAMINTALIST یعنی بنیاد پرست

2۔ TRADITIONALLIST یعنی روایت پرست

3۔ MODERNIST جدیدیت پسند

4۔ SECULARIST یعنی لادینیت پسند

اس میں وہ بنیاد پرست اسے قرار دیتی ہے جو مغربی تہذیب اور جمہوری اقدار کو مسترد کرتے ہیں۔ روایت پرست وہ ہیں جو جدت، ترقی اور تبدیلی کے بارے میں شکوک وشبہات اور تحفظات رکھتے ہیں۔ جدیدیت پسند وہ ہیں جو اسلامی دنیا کو جدید عالمی رجحانات کا حصہ بنانے کے خواہش مند ہیں جو اسلامی دنیا میں ریاست اور مذہب کو ایک دوسرے سے یکسر علیحدہ کرنا چاہتے ہیں۔ اسی رپورٹ میں وہ تجویز کرتی ہیں کہ روایت پرستوں کی پشت پناہی کرتے ہوئے ان کے ذریعے بنیاد پرستوں کو مغلوب کیا جائے تاہم وہ مسلمانوں کے چوتھے مکتب فکر یعنی لادین پسندوں کے بارے میں متحیر ہے کہ ان کے اکثر دانشوروں کا رویہ مغرب کے بارے میں غیر دوستانہ بلکہ متشددانہ ہے اور اس کی تفصیل میں جاتے ہوئے وہ بنیادی وجوہات کا تعین یوں کرتی ہے کہ اس رویے کا باعث مشرق وسطیٰ میں اس کا رول ماڈل ترکی ہے جو اس کے نزدیک جارحانہ سیکولرازم کی ایک خوبصورت اور قابل تقلید مثال ہے۔

آخر کیا وجہ ہے کہ سمتھ رچرڈ سنز فاؤنڈیشن کے سالانہ ایک سو ملین ڈالر سے زائد بجٹ میں سے بیشتر حصہ وصول کرنے والی رینڈ کارپوریشن یہ رپورٹ مرتب کر کے امریکی حکومت کو پیش کرتی ہے اور اس کے بعد اسلامی دنیا میں کئی عشروں کے بعد ایک بار پھر صوفی ازم کے احیاء کے لئے جو دراصل خانقاہی نظام کا دوسرا نام ہے کی عالمی سطح پر کوششوں کا آغاز ہوتا ہے۔ برطانیہ اپنے نوآبادیاتی دور کے عروج میں یہ فارمولا بڑی کامیابی سے آزما چکا ہے اور برصغیر میں صوفیا کی ذات سے محروم درباروں کے سجادہ نشینوں اور متولیوں کے زور پر اور سرزمین عرب میں حسین شریف مکہ جیسے مذہبی اہمیت کے حامل غدار حکمرانوں اور لارنس آف عریبیا جیسے جعلی مذہبی رہنماؤں کے ذریعے اپنے نوآبادیاتی نظام کو استحکام فراہم کرتا رہا ہے۔ رینڈ رپورٹ میں صوفی ازم کے احیاء اور فروغ کے لئے کی گئی لمبی چوڑی پلاننگ میں سے صرف ایک پیراگراف سارے منصوبے کی پوری جزئیات کو واضح کرنے کے لئے کافی ہے۔

Sufis are not a ready match for any of the categories, but wo will here include them in modernism. Sufism reprsents an open, intellectual interpetation of islam. Sufism influence our school curricula, norms, and cultural life should be strongly in countries that have a sufi tradition through its poetry, music and philosopgy, sufism has a strong bridge role outside of religious affiliations.

مختصر سا پیراگراف یہ واضح کرنے کے لئے کافی ہے کہ مغرب دراصل اسلام کو زیادہ مناسب الفاظ میں مسلمانوں کو کس شکل میں دیکھنا چاہتا ہے اور وہ اسلام کو اپنے لئے قابل قبول صورت میں ڈھالنے کے لئے اسے صوفی ازم کے نام پر بالکل نیا رنگ دینا چاہتا ہے۔ اس میں مغرب صوفی ازم کے نام پر مذہب سے بالاتر ہو کر نصاب، روایات اور ثقافتی بنیادوں پر شاعری، موسیقی اور فلسفے کے ذریعے اسلام سے اپنا تعلق قائم کرنا چاہتا ہے لیکن جنرل پرویز مشرف کے دور حکومت میں یوں ہوا کہ روشن خیال اعتدال پسندوں نے Outside of Religious affiliations کو لادینیت یعنی سیکولرازم سمجھ کر صوفی ازم اور لادینیت کو ہم معانی مترادفات قرار دیا۔

جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ صوفی ازم کسی صوفی کی غیر موجودگی میں محض ایک ایسا خانقاہی نظام ہے جسے پہلے نوآبادیاتی نظام کی مضبوطی کے لئے اور اب نو تشکیل شدہ استعماری نظام کی مضبوطی کے لئے استعمال کرنے کی منصوبہ بندی کی جارہی ہے کیونکہ یہ ایک ایسا آزمودہ نسخہ ہے جسے برصغیر میں قریب ڈیڑھ سو برس قبل نہایت کامیابی سے آزمایا جا چکا ہے اور اس وقت ملک عزیز کی سیاست میں روشن بہت سے درخشاں ستارے اپنی ان جاگیروں کے بل پر صاحب ثروت اور مقتدر و زور آور ہیں جو انہیں انگریزوں نے شمع آزادی کے پروانوں کو جلا کر خاکستر کرنے کے عوضانے میں بخشیش کی تھیں۔

10 جون 1857ء کو ملتان چھاؤنی میں پلاٹون نمبر 69 کو بغاوت کے شبے میں نہتا کیا گیا اور پلاٹون کمانڈر کو بمعہ دس سپاہیوں کے توپ کے آگے رکھ کر اڑا دیا گیا۔ آخر کار جون میں بقیہ نہتی پلاٹون کو شبہ ہوا کہ انہیں چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں فارغ کیا جائے گا اور انہیں تھوڑا تھوڑا کر کے تہہ تیغ کیا جائے گا۔ سپاہیوں نے بغاوت کر دی تقریباً بارہ سو سپاہیوں نے بغاوت کا علم بلند کیا انگریزوں کے خلاف بغاوت کرنے والے مجاہدین کو شہر اور چھاؤنی

کے درمیان واقع پل شوالہ پر دربار بہاؤالدین زکریا کے سجادہ نشین مخدوم شاہ محمود قریشی نے انگریزی فوج کی قیادت میں اپنے مریدوں کے ہمراہ گھیرے میں لے لیا اور تین سو کے لگ بھگ نہتے مجاہدین کو شہید کر دیا۔ یہ مخدوم شاہ محمود قریشی ہمارے موجودہ وزیر خارجہ مخدوم شاہ محمود قریشی کے لکڑ دادا تھے اور ان کا نام انہی کے حوالے سے رکھا گیا تھا۔ کچھ باغی دریائے چناب کے کنارے شہر سے باہر نکل رہے تھے کہ انہیں دربار شیر شاہ کے سجادہ نشین مخدوم شاہ علی محمد نے اپنے مریدوں کے ہمراہ گھیر لیا اور ان کا قتل عام کیا مجاہدین نے اس قتل عام سے بچنے کے لئے دریا میں چھلانگ لگا دی کچھ لوگ دریا میں ڈوب کر جاں بحق ہو گئے اور کچھ لوگ پار پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ پار پہنچ جانے والوں کو سید سلطان احمد قتال بخاری کے سجادہ نشین دیوان آف جلالپور پیروالہ نے اپنے مریدوں کی مدد سے شہید کر دیا۔ جلالپور پیروالہ کے موجودہ ایم این اے دیوان عاشق بخاری انہی کی آل میں سے ہیں۔

(یہاں ایک صاحب نے جو اگلے سیشن میں خود مقالہ پڑھنے والے تھے اٹھ کر مقالے کو غیر متعلق کہہ کر رد کرنے کی کوشش کی جس پر تقریباً سارا مجمع مشتعل ہو کر اٹھ کھڑا ہوا قریب تھا کہ لوگ اسے پیٹتے مداخلت کار مجمعے کا مجموعی موڈ دیکھ کر نہ صرف فوراً بیٹھ گیا بلکہ بعد میں اس نے مجھ سے معذرت بھی کی۔)

مجاہدین کی ایک ٹولی شمال میں حویلی کورنگا کی طرف نکل گئی جسے مہر شاہ آف حویلی کورنگا نے اپنے مریدوں اور لنگڑیال، ہراج، سرگانہ، ترگڑ سرداروں کے ہمراہ گھیر لیا اور چن چن کر شہید کیا۔ مہر شاہ آف حویلی کورنگا سید فخر امام کے پڑدادا کا سگا بھائی تھا۔ اسے اس قتل عام میں فی مجاہد شہید کرنے پر بیس روپے نقد یا ایک مربع اراضی عطا کی گئی۔ مخدوم شاہ محمود قریشی کو 1857ء کی جنگ آزادی کے کچلنے میں انگریزوں کی مدد کے عوض مبلغ تین ہزار روپے نقد، جاگیر سالانہ معاوضہ مبلغ ایک ہزار سات سو اسی روپے اور آٹھ چاہات جن کی سالانہ جمع ساڑھے پانچ سو روپے تھی بطور معافی دوام عطا ہوئی مزید یہ کہ 1860ء میں وائسرائے ہند نے بیگی والا باغ عطا کیا۔ مخدوم آف شیر شاہ مخدوم شاہ علی محمد کو دریائے چناب کے کنارے مجاہدین کو شہید کرنے کے عوض وسیع جاگیر عطا کی گئی۔

حویلی کورنگا کے معرکے میں بظاہر سارے مجاہدین مارے گئے مگر علاقے میں آزادی کی شمع روشن کر گئے۔ حویلی کورنگا کی لڑائی کے نتیجے میں جگہ جگہ بغاوت پھوٹ پڑی اور حویلی کورنگا قتال پورے سے لے کر ساہیوال بلکہ اوکاڑہ تک کا علاقہ خصوصاً دریائے راوی کے کنارے بسنے والے مقامی جانگلیوں کی ایک بڑی تعداد اس تحریک آزادی میں شامل ہو گئی۔ جانگلی علاقے میں اس بغاوت کا سرخیل رائے احمد خان کھرل تھا جو گوگیرہ کے نواحی قصبہ جھامرہ کا بڑا زمیندار اور کھرل قبیلے کا سردار تھا احمد خان کھرل کے ہمراہ مراد فتیانہ، شجاع بھدرو، موکھا وہنی وال اور سارنگ جیسے مقامی سردار اور زمیندار تھے۔

مورخہ 16 ستمبر 1857ء کو رات گیارہ بجے سرفراز کھرل نے ڈپٹی کمشنر ساہیوال بمقام گوگیرہ کو احمد خان کھرل کی مخبری کی مورخہ اکیس ستمبر 1857ء کو راوی کے کنارے ''ولے دی ڈل'' میں اسی سال احمد خان کھرل پر جب حملہ ہوا تو وہ عصر کی نماز پڑھ رہا تھا۔ اس حملے میں انگریزی فوج کے ہمراہ مخدوموں، سیدوں، سجادہ نشینوں اور دیوانوں کی ایک فوج ظفر موج تھی جس میں دربار سید یوسف گردیز کا سجادہ نشین سید مراد شاہ گردیزی دربار بہاؤالدین زکریا کا سجادہ نشین مخدوم شاہ محمود قریشی، دربار فریدالدین گنج شکر کا گدی نشین مخدوم آف پاکپتن، مراد شاہ آف ڈولا بالا، سردار شاہ آف کھنڈا اور گلاب علی چشتی آف ٹبی لال بیگ کے علاوہ بھی کئی مخادیم وسجادہ نشین شامل تھے۔ احمد خان کھرل اور سارنگ شہید ہوئے۔ انگریز احمد خان کھرل کا سر کاٹ کر اپنے ہمراہ لے گئے۔ احمد خان کھرل کے قصبہ جھامرہ کو پیوند خاک کرنے کے بعد آگ لگا دی گئی۔ فصلیں جلا کر راکھ کر دی گئیں۔ تمام مال مویشی ضبط کر لئے گئے دیگر

سرداروں کو سزا کے طور پر بعبور دریائے شور یعنی کالا پانی بجھوا دیا گیا۔ اس طرح جانگلی علاقے کی تحریک آزادی مخدوموں، سرداروں، وڈیروں اور گدی نشینوں کی مدد سے دبادی گئی اس کے بعد دریائے راوی کے کنارے اس علاقے کے بارے میں راوی چین لکھتا ہے۔

صوفی ازم کے فروغ کے لئے موجودہ کوششیں اس سلسلے کی دوسری کڑی ہیں اس سے قبل جنرل پرویز مشرف کے روشن خیال دور میں اس کی پہلی قسط نشر ہوئی تھی اور ایک صوفی کونسل تشکیل دی گئی جس میں چیف صوفی کا درجہ جناب چوہدری شجاعت حسین کو عطا کیا گیا تھا۔ میں نے تب اپنے دوست سے اس انتخاب کی وجہ دریافت کی تو تصوف کی رمزوں سے آگاہ دوست کہنے لگا کہ صوفی اپنے دل کا حال اور کیفیت دوسروں پر بیان نہیں کرسکتا۔ بس صوفی اور چوہدری شجاعت کے درمیان یہی ایک قدر مشترک ہے جس کی بنا پر انہیں چیف صوفی بنا دیا گیا ہے۔

جہاں اس وقت مغربی دنیا میں پیارے نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخانہ خاکے چھاپے جارہے ہیں۔ حجاب پر پابندی عائد کی جارہی ہے، داڑھی والے کو دہشت گرد سمجھا جارہا ہے اور مسلمانوں کو بے روک ٹوک مارا جارہا ہے وہاں اچانک ہی امریکہ بہادر اور مغرب کے دل میں صوفی ازم کی محبت کا جاگنا کوئی ایسا پیچیدہ معاملہ نہیں جو قابل فہم نہ ہو۔ ایک طرف یہ عالم ہے سوئٹزرلینڈ میں جہاں پورے ملک میں گنتی کی مساجد ہیں اور ان میں اسے بھی صرف تین مساجد کے مینار ہیں حکومت نے مساجد کے میناروں کی تعمیر پر پابندی لگا دی ہے دوسری طرف مغرب کی رواداری کا یہ عالم ہے کہ وہ درباروں کی تزئین و آرائش اور تعمیر و مرمت کے لئے کروڑوں روپے براہ راست سجادہ نشینوں کے ہاتھ دے رہے ہیں ملتان میں دربار شاہ شمس سبزواری اور سخی سرور میں دربار سخی سرور کے لئے لاکھوں ڈالر کا عطیہ دے رہے ہیں امریکہ اور برطانوی سفارت کاروں کے ذریعے دیئے جانے والے یہ عطیات مغرب کی دوہری پالیسیاں واضح کرنے کے لئے کافی ہیں۔

اگر صوفی ازم لمحہ موجود میں پیار و محبت امن و آتشی، رواداری اور تحمل کا سب سے موثر ذریعہ ہے تو اس وقت اس کی ہم سے زیادہ ضرورت مغرب اور بالخصوص امریکہ کو ہے جو ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم پھینکنے سے لے کر افغانستان اور عراق پر ڈیزی کٹر بموں کے ساتھ کارپٹ بمباری کرنے والا دنیا کا واحد ملک ہے اور جو درجنوں ممالک کی سلامتی پامال کرنے سے لے کر سی آئی اے کے ذریعے لاتعداد ممالک کی حکومتوں کا تختہ الٹنے کا ذمہ دار ہے اور جو اپنی سلامتی کے نام پر دنیا بھر میں لاکھوں بے گناہوں کے قتل عام سے لے کر اپنے مخالفین کی ٹارگٹ کلنگ کا مرتکب ہے اور جو نام نہاد دہشت گردی کے نام پر دنیا بھر میں سب سے زیادہ دہشت گردی کرنے سے لے کر ہر چوتھے دن ایک آزاد خودمختار لیکن عزت و آبرو اور حمیت سے عاری حکمرانوں کے دیس پر ڈرون حملوں کے ذریعے مقامی دہشت گردوں کو خود کش حملوں کا جواز فراہم کرتا ہے۔

میرا خیال ہے کہ تصوف کی آفاقی قدریں اگر وہ اس وقت واقعی موجود ہیں تو ان کے احیاء کی اس مہم کا مرکز امریکہ اور دائرہ کار مغرب ہونا چاہیے کیونکہ فی الوقت انہیں ہماری نسبت پیار، محبت، برداشت، تحمل اور رواداری کی ہم سے کہیں زیادہ ضرورت ہے ہم تو اس وقت خود مظلومیت، کسمپرسی، برداشت اور تحمل کی آخری سطح سے بھی کہیں نیچے کی زندگی گزار رہے ہیں۔ (بشکریہ روزنامہ جنگ)

ضروری اطلاع

دوران اعتکاف خواتین اور بچوں کو دارالعرفان منارہ ضلع چکوال لانے کی اجازت نہیں ہے (ادارہ)

نیک لوگوں کی صحبت اور اتباع

امیر محمد اکرم اعوان 28-07-2009

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ
وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ
اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى
وَهْنٍ وَّ فِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَ لِوَالِدَيْكَ ؕ
اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿١٤﴾ وَ اِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا
لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَ صَاحِبْهُمَا فِي
الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ؗ وَّ اتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ
اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٥﴾

(سورۃ لقمان آیات نمبر 15-14)

اَللّٰھُمَّ سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا
عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ
مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَآئِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

انسان دنیا میں آکر دنیوی حالات و معاملات، زندگی کے سلیقے، کاروبار، تعلیمات، معاملات ہر چیز سیکھتا ہے لیکن اس کی پہلی درس گاہ اور استاد اس کے والدین ہوتے ہیں۔ ہر بچے کو یہ خیال ہوتا ہے کہ میرا والد دنیا کا بہترین انسان ہے میری والدہ دنیا کی سب سے اچھی ماں ہے وہ جو انہیں کرتے دیکھتا ہے، کہتے دیکھتا ہے، ان کا جو سلوک ہوتا ہے لوگوں کے ساتھ معاملات میں وہ اسے اختیار کرتا جاتا ہے غیر شعوری طور پر ان کی عادتیں اپناتا چلا جاتا ہے ان جیسا بنتا اور ڈھلتا چلا جاتا ہے یہ انسان کی پہلی درس گاہ ہوتی ہے۔ جب وہ بالغ ہوتا ہے خود سوچتا ہے لوگوں سے اس کا سابقہ پڑتا ہے حالات سے سابقہ پڑتا ہے پھر ان سے سیکھتا ہے ان سے چیزیں اختیار کرتا ہے اور یوں اس کی زندگی کی ایک روش بنتی ہے۔ اللہ کریم نے والدین کا بہت بڑا احسان فرمایا ہے کہ ایک بچے کو پالنے میں وہ کتنی محنت، کتنی مشقت برداشت کرتے ہیں وَ وَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ ۚ فرمایا ہم نے انسان کو اس کے والدین کے بارے بہت تاکید کی ہے کہ جب ان کی باری تھی تم کچھ کرنے کے قابل نہیں تھے اپنی ضرورتیں بتانے کے قابل نہیں تھے تمہاری زبان تک چلتی نہیں تھی بات تک کرنا آتی نہیں تھی انہوں نے اپنی ذات پر مشکلات سہہ لیں اور تمہارے لئے ہر طرح کا آرام مہیا کیا۔ ماں نے تمہارے لئے بڑے دکھ اٹھائے پھر دو سال تمہیں دودھ پلایا تو فرمایا: اَنِ اشْکُرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیْکَ ؕ میرا شکر کرو اور والدین کا بھی شکر کرو۔ شکر سے کیا مراد ہے؟ شکر ہے کیا؟ اللہ کا شکر کس طرح ادا کیا جاسکتا ہے؟ اس پر بہت علمی مباحث موجود ہیں۔ علماء کرام نے بہت طویل باتیں لکھی ہیں کہ کس طرح سے بندہ اللہ کا شکر ادا کرسکتا ہے لیکن اگر مختصراً اگر ہم ایک جملے میں کہنا چاہیں تو شکر ادا کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اطاعت کی جائے اور خلوص سے کی جائے۔ اگر کوئی ہزاروں تسبیحات بھی پڑھتا رہے، حج بھی کرتا رہے، سجدے بھی کرتا رہے، لیکن عملی زندگی میں اللہ اور اللہ کی رسول

صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرے تو وہ سارا کچھ کس کام آیا لہٰذا اگر مختصر تعریف، مختصر ترین تعریف کی جائے تو یہی ہے کہ خلوص دل سے اطاعت الٰہی کی جائے۔ بے شمار تعریفیں علماء حق نے لکھی ہیں اور وہ سب درست ہیں اپنے اپنے انداز میں لیکن سب کا ماحصل یا نتیجہ اگر ہم تلاش کریں تو اطاعت آتا ہے۔ اسی لئے بعض جگہ ناشکری کو بھی کفر کہا گیا ہے تو فرمایا میرا شکر ادا کرو اور والدین کے مشکور رہو۔ ان کے احسان کو یاد رکھو جب وہ اپنے آپ کو سنبھالنے کے قابل نہ رہیں تو جب تم اپنے آپ کو نہیں سنبھال سکتے تھے تو انہوں نے تمہیں سنبھالا۔ اب ان پر ایسا بڑھاپا، ایسا وقت آ گیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو نہیں سنبھال سکتے تو تمہاری ذمہ داری ہے کہ تم ان کی خدمت کرو ان کے آرام کا خیال رکھو اس لئے کہ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝۱۴ تم سب کو میری بارگاہ میں حاضر ہونا ہے اور اپنا اپنا جواب دینا ہے اگر والدین نے تربیت میں کوتاہی کی ہوگی تو وہ بھی جواب دہ ہوں گے اولاد نے خدمت میں کوتاہی کی ہوگی تو وہ بھی جواب دہ ہوگی اور اتنا بڑا مقام دیا والدین کو کہ اپنی ذات کے شکر کے ساتھ دوسرا درجہ پھر والدین کی اطاعت اور ان کے مشکور ہونے کو دیا ان سب عظمتوں کے باوجود فرمایا وَ اِنْ جَاهَدٰكَ اگر ماں بھی اور باپ بھی دونوں تیرے ساتھ زور لگائیں، کوشش کریں، محنت کریں عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ کہ تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک مان لے جس کا کوئی علم نہیں ہے انسان کے پاس کہ اللہ کا کوئی شریک ہے فَلَا تُطِعْهُمَا ان کی یہ بات ہرگز نہ ماننا یعنی والدین کی عظمت بیان کرنے کے بعد ان کی خدمت کی تاکید کرنے کے بعد فرمایا کہ اگر میری نافرمانی کی رائے دونوں مل کر دیں والدہ یا والد دیں تو اس بات میں ان کی بات کو بالکل نہیں ماننا وَ صَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا اس کے باوجود کہ وہ اللہ کی نافرمانی کی بات کریں، تم قبول نہ کرو۔ دنیوی اعتبار سے ان کے ساتھ حسن سلوک جاری رکھو۔ ان کی خدمت کرتے رہو۔ والدین کو اللہ نے بہت درجہ بھی دیا، بہت عظمت بھی دی، سب سے پہلا مدرسہ بھی ماں کی گود ہی ہے، والد کا طرز حیات بھی ہے، بچہ اسی سے سیکھتا ہے، انہوں نے پرورش کی بچپن سے جوانی تک پہنچایا، خود بھوکے رہے بچوں کو کھلایا، خود تکلیف میں رہے، بچوں کو آرام دیا۔ فرمایا: ان کا بڑا حق ہے۔ اللہ کا شکر ادا کرو اور والدین کے مشکور رہو۔ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ کسی سے تعلقات بنانے ہوں، دوستی کرنا چاہتے ہو تو سب سے پہلے یہ دیکھو کہ اللہ کے ساتھ اس کے تعلقات کیسے ہیں؟ اگر وہ اللہ سے وفا نہیں کرتا تو تم اس سے وفا کی امید کیوں رکھتے ہو؟ پھر دوسرا معیار یہ ہے کہ اس کا سلوک والدین کے ساتھ کیسا ہے؟ اگر وہ اپنے والدین کی عزت نہیں کرتا یا انہیں جھڑکتا ہے، انہیں تکلیف دیتا ہے یا ان کی بات نہیں سنتا تو تم کس اُمید پر اس سے دوستی کرنا چاہتے ہو؟ جتنا احسان اس پر ان کے والدین کا ہے اتنا تمہارا کب اس پر ہوگا؟ اگر وہ ان کی پرواہ نہیں کرتا، تمہاری کب کرے گا؟ تیسرا معیار یہ رکھا ہے کہ پہلے دیکھو کہ اس کے اردگرد کیسے لوگ ہیں اس سے بھی پتہ چل جائے گا کہ وہ کیسا انسان ہے۔ ان سب عظمتوں کے باوجود اگر ماں اور باپ دونوں بھی زور لگائیں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک مانو یا اللہ کی نافرمانی کرو یا اللہ کی اطاعت چھوڑ دو یا کوئی غیر اسلامی عقیدہ تسلیم کرلو یا کسی غیر اسلامی رسم پر عمل کرو فَلَا تُطِعْهُمَا ان کی یہ بات ہرگز نہ قبول کرو۔ یعنی انہیں یہ حق نہیں ہے کہ وہ اللہ کی نافرمانی کا حکم دیں اور اس کے باوجود کہ اگر ان کا اپنا عقیدہ صحیح نہیں ہے تمہارا عقیدہ بھی خراب کرنا چاہتے ہیں تم ان کی یہ بات مت مانو اس کے باوجود جب تک دنیا میں رہیں ان کی خدمت کرتے رہو۔ وَ صَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا جب تک دنیا میں ہیں معروف طریقے سے خدمت کرتے رہو۔ پتہ چلے تم ان کی عزت کرتے ہو، ادب کرتے ہو، ان کے آرام کا خیال کرتے ہو یعنی یہ حق پھر بھی ان کا قائم رکھا لیکن اللہ کی نافرمانی کے لئے ان کی بات مت مانو۔ جب والدین کو یہ اجازت نہیں دی گئی اور بندے کو یہ اجازت نہیں دی گئی کہ والدین کے کہنے پر اللہ کی نافرمانی کرے یا کسی غیر اسلامی رسم کو اپنائے یا غیر اسلامی عبادت کو اپنائے، غیر اسلامی

عقیدے کو اپنائے، غیر اسلامی عمل کو اپنائے تو پھر معاشرے کی باری تو بعد میں آتی ہے معاشرے کو دیکھ کر غیر اسلامی اعمال و کردار کو کیوں اپنایا جائے؟ اس کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے؟ آج ہم اگر اپنے آپ کو دیکھیں تو غیر مسلم اور مسلمان میں امتیاز کرنا مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ ایک رواج ہوگیا ہے مجھے اگلے دن فون کرنا پڑا غالباً مدینہ منورہ تو میں جنہیں فون کر رہا تھا وہ ان کا فون شاید اس وقت بند تھا یا وہ مصروف تھے تو جب وہ فون نہیں ملتا ایک پیغام پہلے سے ریکارڈ شدہ سنائی دیتا ہے کہ اس وقت آپ کا فون نہیں مل رہا تھوڑی دیر بعد کر لیجئے گا۔ آواز سن کر خوشی ہوئی اس لئے کہ یہ تو پہلی مرتبہ ریکارڈنگ میں کوئی مردانہ آواز سنائی دی ہے کہ آپ کا فون نہیں مل سکتا، کچھ دیر بعد کیجئے گا، ورنہ جہاں آپ فون کریں کوئی خاتون ہی بولے گی مجھے یہ پہلی دفعہ تجربہ ہوا۔ دو تین دن کی بات ہے مدینہ منورہ فون کیا تو مردانہ آواز آئی اور حیرت بھی ہوئی اور خوشی بھی ہوئی آپ پاکستان میں دیکھ لیں باقی مسلمان ملکوں میں دیکھ لیں عورتیں ہی ہر طرف چھا گئی ہیں۔ جہاز کی سیٹ بک کروانے بکنگ کے لئے جائیں، کہیں ٹکٹ لینے کے لئے جائیں بلکہ اب تو بسوں میں بھی خدمت گاری کے لئے عورتیں سوار کر دی گئی ہیں۔ پہلے جہازوں میں ہوتی تھیں اب بسوں میں بھی خدمت گار عورتیں ہی ہوتی ہیں۔ ریڈیو اور ٹی وی خبریں سنانے کے لئے لازم ہے کہ خاتون ہو۔ اگر مرد نیوز کاسٹر ہو تو بھی ایک خاتون کا ہونا لازمی ہوتا ہے۔ ان خواتین میں سے کسی کو بھی دیکھ لیں آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ کسی مسلمان کی بیٹی ہے۔ بال کھلے ہوئے، پریشان سے، دوپٹہ نام کی یا تو کوئی چیز ہے ہی نہیں، اگر ہے تو وہ پٹے کی طرح گلے میں پڑا ہوا ہے، لباس ایسا ہے کہ نیم عریاں حالت ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ایسا تنگ لباس جس سے جسم کے حصے نظر آئیں وہ پہننا یا نہ پہننا برابر ہے۔ بندہ برہنہ ہی شمار ہوتا ہے۔ تو یہ سب کچھ ہم کہاں سے لے رہے ہیں؟ سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ جینا تو فرعون کی زندگی چاہتے ہیں موت موسیٰ ؑ کی چاہتے ہیں۔ یعنی ہمارے رویے یہ ہوگئے ہیں کہ مرنے والے کے لئے آج قل کی رسم کرو جمعرات کا ختم کرو، چالیسواں کرو، یہ ساری رسومات ایصال ثواب کی اس امید پر کی جاتی ہیں حالانکہ ان کی کوئی شرعی دلیل نہیں لیکن توقع یہ ہوتی ہے کہ ان کے طفیل وہ جنت میں چلا جائے گا۔ زندگی میں کوئی کسی کو نہیں کہتا کہ یہ جنت کا راستہ ہے اپنے عمل میں مثبت تبدیلی لاؤ اللہ تمہیں اس کے طفیل بخش دے گا۔ تمہارے گناہ معاف فرمائے گا تمہیں اپنی جوار رحمت میں جگہ دے گا جب بندہ مر جاتا ہے تو پھر فکر پڑتی ہے کہ اب اس کا کوئی اہتمام کیا جائے پھر کرائے کے پڑھنے والے بلائے جاتے ہیں اور مختلف رسومات ادا کی جاتی ہیں۔ عبادات اور رسومات میں بڑا فاصلہ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے جو کام کرنے کا حکم دیا ہے اور جو تعلیم فرمایا ہے وہ عبادت ہے اور جس چیز کا حکم آپ ﷺ سے صحابہ کرام سے متقدمین سے ثابت نہیں ہے وہ ایجاد بندہ ہوتی ہے اسے اصطلاح میں بدعت کہتے ہیں۔ بدعت میں دو قباحتیں ہوتی ہیں ایک قباحت تو یہ ہوتی ہے کہ بدعت کرنے والا سمجھتا ہے کہ خدانخواستہ نبی کریم ﷺ سے کوئی کام رہ گیا جو آپ ﷺ نے تعلیم نہیں فرمایا اور وہ یہ کمی پوری کر رہا ہے حالانکہ کوئی نبی دنیا سے تب تک تشریف نہیں لے جاتا جب تک وہ اپنے لائے ہوئے دین کی تعلیم مکمل نہیں کر لیتا۔ واجبات تو واجبات مستحبات تک نبی علیہ السلام تعلیم فرما کر دنیا سے تشریف لے جاتے ہیں اور حضور نبی اکرم ﷺ اور آپ کی امت تو وہ واحد امت ہے اور آپ کی کتاب وہ واحد کتاب ہے جس میں سند دی گئی ہے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (سورۃ المائدہ آیت نمبر 3) یہ کسی دوسری آسمانی کتاب میں آیت نہیں اتری، کسی دوسرے دین کو یہ سند نہیں ملی اللہ نے یہ سند دے دی کہ تمہارا دین مکمل ہوگیا پھر کوئی رسم ایجاد کرتا ہے تو اس کے خیال میں دین میں کوئی کمی رہ گئی تھی جو اس نے پوری کر دی اور یہ بہت بڑی گستاخی ہے اور بہت بڑا ظلم ہے۔ دوسری مصیبت کے بارے میں علمائے حق فرماتے ہیں کہ بدعتی کو توبہ کم ہی نصیب ہوتی ہے اس لئے کہ آدمی جس عمل کو گناہ

سمجھتا ہے اس سے تو توبہ کرلیتا ہے جس کو عبادت سمجھتا ہے اس سے توبہ کیوں کرے گا؟ جب اسے سمجھتا ہی نیکی ہے تو اُسے توبہ کب نصیب ہوگی؟ تو فرمایا: کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار (مشکوۃ) ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں لے کر جاتی ہے۔ سو تاکید فرمائی کہ جب والدین سے اللہ کی نافرمانی کا کوئی حکم ملے فَلَا تُطِعْهُمَا تو ہرگز اطاعت نہ کرنا۔ ان کی بات کا صاف انکار کردینا کہ آپ کی عزت اپنی جگہ آپ کا احترام اپنی جگہ اللہ کا حکم اللہ کا حکم ہے۔ اس کے خلاف میں نہیں چلوں گا۔ فَلَا تُطِعْهُمَا ان کی بات ہرگز نہ مانو تو پھر معاشرے کی کیا حیثیت ہے کہ اس سے ہم سیکھ لیں اور اللہ کی نافرمانی کے انداز اپنالیں اللہ کی نافرمانی کا لباس اپنالیں اللہ کی نافرمانی کا طریقہ کار اپنالیں۔ ہم تو کچھ مغرب کی غلامی میں اس طرح پس چکے ہیں اور اتنی دور جاچکے ہیں کہ ہم اسے اپنی زبان میں بات بھی نہیں ہوتی آپ ٹیلی ویژن پر دیکھیں ہمارے پروگرام اردو میں ہوتے ہیں لیکن اس میں اردو کے الفاظ کم ہوتے ہیں اور انگریزی کے زیادہ ہوتے ہیں۔ ہمارے ارباب اختیار جب بات کرتے ہیں تو انگریزی میں کرتے ہیں، کل وزیر تجارت صاحب تجارتی پالیسی بیان فرمارہے تھے، انگریزی میں تو عبدالقدیر نے مجھ سے پوچھ لیا یہ انگریزی کیوں بولتے ہیں؟ میں نے کہا ان کا خیال ہے پبلک میں انگریزی سمجھنے والے زیادہ ہیں اردو سمجھنے والے کم ہیں۔ ایک بات آپ عوام کے لئے کررہے ہیں اور عوام کو تو آپ نے اردو بھی نہیں پڑھائی، کتنے ایسے ہیں جن کی مادری زبان پشتو ہے اور انہیں پنجابی اردو نہیں آتی، کتنے پنجابی ایسے ہیں جنہیں اردو نہیں آتی۔ شرح خواندگی کتنی کم ہے؟ تعلیم کا معیار کیا ہے؟ کم ازکم ہر کوئی تھوڑی بہت اردو سمجھ تو لیتا ہے یا اندازہ کرلیتا ہے لیکن حکمران تو بات ہی انگریزی میں کرتے ہیں خواہ کسی کے پلے ہی کچھ نہ پڑے! ہم اس قدر معاشرے کے پیچھے لگ گئے ہیں اور کس قدر مقام حیرت ہے کہ ساری زندگی دین کے خلاف چلتے ہیں جب مرتے ہیں تو شہید ہوجاتے ہیں۔ ان کی دوہری موجیں ہیں یعنی ساری زندگی عقیدے سے لے کر عمل تک دین کے خلاف ہوتا ہے مرتے ہیں شہید ہوجاتے ہیں یہاں آکر اسلام سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں شہید کہلانا چاہیے۔ یاد رکھیں! جو زندگی میں نہیں مانتے، مرکر ماننے کو وہ قبول نہیں کرتا، مرکر ہر کوئی مان لے گا بلکہ عندالموت تو فرعون نے بھی کہا تھا کہ میں بنی اسرائیل والے خدا کو مانتا ہوں موسیٰؑ والے رب کو مانتا ہوں ہارونؑ والے رب کو مانتا ہوں فرمایا اب کیا فائدہ تیرے ماننے کا، جب ماننے کا وقت تھا اس وقت تو اکڑا رہا، اب تو ملک الموت کو دیکھ کر مانتا ہے۔ اب ماننے کا کیا فائدہ اس نے پھر موت کی ہچکی آنے پر مانا تھا یہ تو تب بھی نہیں مانتے۔ جب یہ مرکر مردہ ہوجاتے ہیں تو ان کے ماننے والے کہتے ہیں شہید ہوگیا تو فرمایا: وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ والدین ہوں، معاشرہ ہو، عالمی ماحول ہو، ان لوگوں کے ساتھ چلو ان لوگوں کا راستہ اختیار کرو مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ جو میری رضا کے طالب ہوں جو میری طرف رجوع رکھتے ہوں، جن کی آرزو میری رضا ہو، جن کا عقیدہ میرے حکم کے مطابق ہو، جو میرے نبی کریم ﷺ کا اتباع کر رہے ہوں، جو میرے راستے پر چلتے ہوں، وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ وہاں فرمایا: فَلَا تُطِعْهُمَا ان کی بات بالکل نہ مان، یہاں فرمایا: وَاتَّبِعْ سَبِيلَ ان کے راستے کا اتباع کرو، ان کے پیچھے پیچھے چلنا شروع کردو، اس راستے پر چلنا شروع کردو مَنْ أَنَابَ جن کا رخ میری طرف ہو جو میری رضا کے طالب ہوں، جو میری خوشنودی کے لئے کام کررہے ہوں، وہ بھی دنیا میں زندہ رہتے ہیں، وہ بھی لباس پہنتے ہیں، وہ بھی روزی کماتے ہیں، وہ بھی شادی کرتے ہیں، وہ بھی گھر بناتے ہیں، کون سا کام ہے جو نیک لوگ نہیں کرتے۔ انبیاء علیہ السلام کے گھر تھے، اولادیں تھیں، صحابہ کرام علیہم اجمعین نے تجارت بھی کی، ملازمت بھی کی، مزدوری بھی کی، زندگی کے سارے راستے اختیار کئے، کھیتی باڑی بھی کی، تو ان لوگوں کو طرز حیات اپناؤ۔ ان لوگوں کا لباس اپناؤ، ان لوگوں کے پیچھے پیچھے چلو۔ مَنْ أَنَابَ جن کی ساری محنت میری رضا کے لئے

ہو۔ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ بالآخرتم سب نے میری بارگاہ میں حاضر ہونا ہے اور تم بہت سی چیزیں کر کے بھول جاتے ہو، بہت سے جملے کہہ کر بھول جاتے ہو، تمہیں یاد نہیں ہوتا تم نے کب کیا کہا تھا، کیا کیا تھا۔ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۵﴾ میری بارگاہ میں جب آؤ گے تمہیں ایک ایک بات یاد کرائی جائے گی، کس وقت تم نے کیا کہا تھا اور کس وقت تم نے کیا کیا تھا، سو یہ بڑی مشکل گھڑی ہوگی کہ زندگی بھر کا ہر فعل سامنے ہوگا اور تمہیں یاد کرایا جائے گا دیکھو تم نے یہ بھی کیا تھا، تم نے یہ بھی کیا تھا، اس وقت کو یاد رکھ کر اپنے اعمال، اپنے عقائد، اپنے نظریات اور اپنے کردار کا خیال رکھو۔ اور وہ راستہ اختیار کرو جو اللہ کی رضا تک پہنچا دے اور وہ راستہ وہ ہے جو اس کے بندوں کا ہے۔ جس طرح سورۃ فاتحہ میں تعلیم فرمایا اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ﴿۵﴾ اے اللہ ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ سیدھا راستہ کون سا ہے؟ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ان لوگوں کا راستہ جن پر تیرے انعامات ہوئے۔ یہی بات یہاں فرمائی وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ جو میری طرف رجوع رکھتے ہوں جو میری رضا کے طالب ہوں ان کا اتباع کرو ان کے پیچھے چلو ان کی پیروی کرو، ان کا ساتھ اختیار کرو، اس لئے کہ بالآخر تم سب کو میری بارگاہ میں حاضر ہونا ہے اور میری بارگاہ میں کوئی یہ نہیں کہ ایجنسیاں انکوائری کریں گی اور ثبوت ملے گا کوئی نہیں ملے گا۔ سارے ثبوت موجود ہوں گے، تم کر کے بھول چکے ہو گے لیکن تمہیں یاد کرایا جائے گا کہ تم نے یہ بھی کیا تھا، یہ بھی کیا تھا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ملتا ہے کہ اللہ کریم یاد تو دلائیں گے کہ تو نے یہ بھی کیا تھا، یہ بھی کیا تھا، لیکن وہ بڑا کریم ہے، ایمان صحیح ہو اور بخشش کی امید ہو تو فرمادے گا کہ تو نے تو بہت سی غلطیاں کیں، جا میں نے تمہیں معاف کیا اور فرمایا: اگر کسی سے یہ سوال ہوا کہ یہ تو نے کیوں کیا؟ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر کسی کے پاس کوئی جواز نہیں ہوگا۔ پھر اسے جہنم جانا ہوگا۔ وہ بخش دے تو اس کی رحمت بہت وسیع ہے، وہ غفور بھی ہے، وہ رحیم بھی ہے، جس پر سوال ہو گیا کہ یہ کیوں کیا تھا اس کے لئے سوائے پھر سزا کے کوئی جواز نہ ہوگا۔ اللہ کریم نیکی اور ہدایت کی توفیق نصیب فرمائے اور نیک انجام نصیب فرمائے۔ دنیا کی زندگی گزر جاتی ہے، مشکلیں بھی آتی ہیں، آرام بھی آتا ہے۔ مشکلیں انسانی زندگی میں بہت کم ہوتی ہیں آرام بہت زیادہ ہوتا ہے یہ الگ بات ہے کہ ہم یاد صرف دکھوں کو رکھتے ہیں۔ اللہ کے احسانات کو یاد نہیں رکھتے۔ ہم دکھوں کا حساب کرتے ہیں جو اس کی رحمتیں انجوائے کرتے ہیں، ساری زندگی صحت، جوانی، طاقت، دولت، اولاد، گھر، خود وجود میں بے شمار نعمتیں ہیں وہ ہم یاد نہیں رکھتے۔ اللہ کریم توفیق دے کہ اس کی نعمتیں یاد رکھی جائیں اور اپنی بہترین کوشش اتباع رسالت اور نیک لوگوں کے ساتھ رہنے کے لئے کی جائے۔ اللہ راہنمائی بھی فرمادیتے ہیں، راہبری بھی کرتے ہیں اور نیک انجام بھی فرمادیتے ہیں۔ لہٰذا معاشرے کی برائیوں، بے حیائیوں اور بے راہرویوں میں پھنس کر ان جیسا بن کر اپنی عاقبت خراب نہ کریں۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

ماہنامہ المرشد میں اشتہار دینے کے خواہشمند متوجہ ہوں

جو حضرات اپنے یا اپنی کمپنی کے لیے ماہنامہ المرشد میں اشتہار شائع کروانا چاہتے ہیں وہ سرکولیشن مینجر ماہنامہ المرشد لاہور سے رابطہ کریں۔

دفتر: ماہنامہ المرشد۔ 17 اویسیہ سوسائٹی کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور۔ فون: 042-35182727

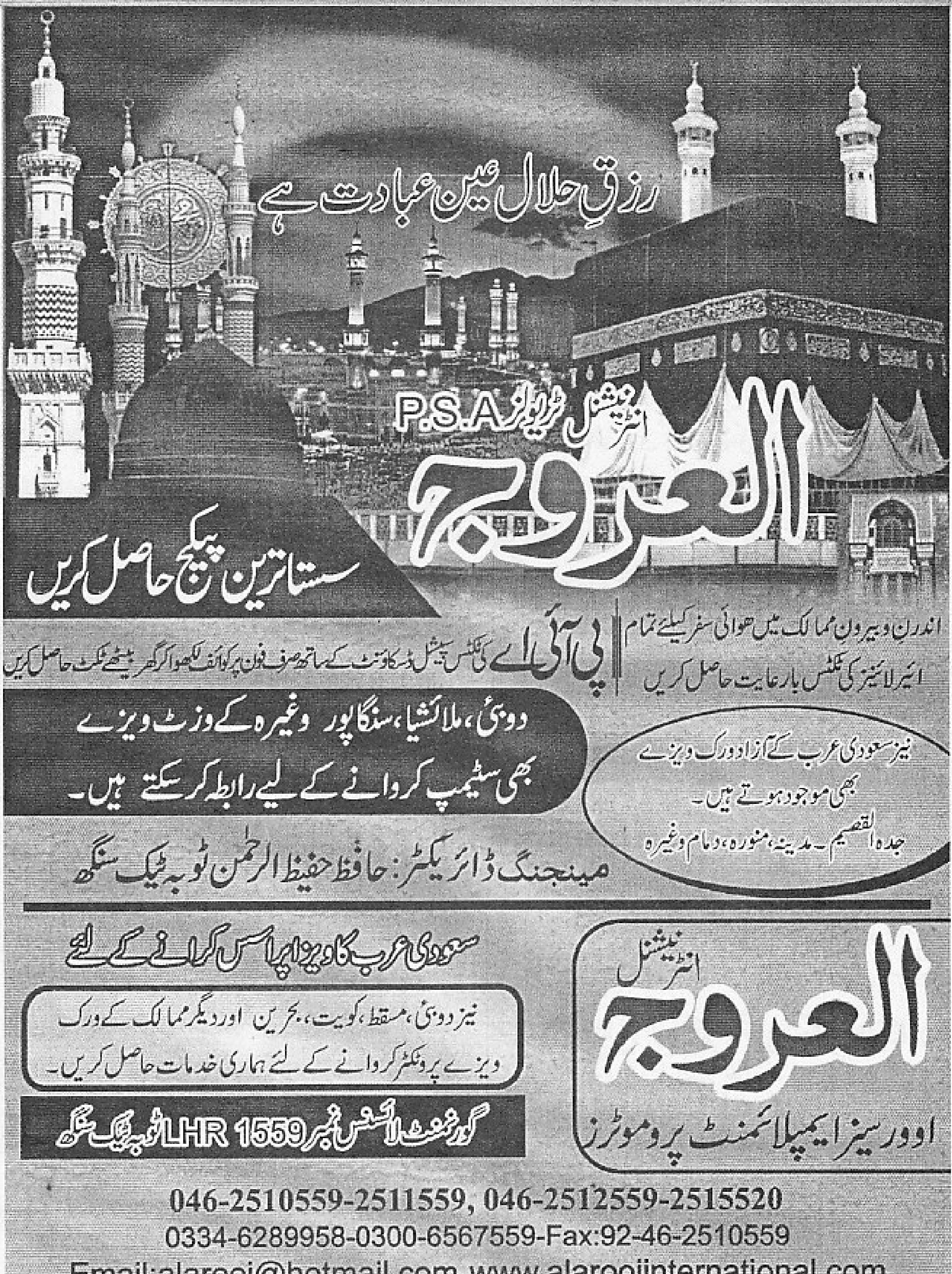
رزقِ حلال عین عبادت ہے
انٹرنیشنل ٹریولز P.S.A
العروج
سستا ترین پیکج حاصل کریں
اندرون و بیرون ممالک میں ہوائی سفر کیلئے تمام
ایئر لائنز کی ٹکٹس بارعایت حاصل کریں
پی آئی اے
کی ٹکٹس سپیشل ڈسکاؤنٹ کے ساتھ صرف فون پر کوائف لکھوا کر گھر بیٹھے ٹکٹ حاصل کریں
دوبئی، ملائشیا، سنگاپور وغیرہ کے وزٹ ویزے
بھی سٹیمپ کروانے کے لیے رابطہ کر سکتے ہیں۔
نیز سعودی عرب کے آزاد ورک ویزے
بھی موجود ہوتے ہیں۔
جدہ، القصیم۔ مدینہ، منورہ، دمام وغیرہ
مینجنگ ڈائریکٹر: حافظ حفیظ الرحمن ٹوبہ ٹیک سنگھ
سعودی عرب کا ویزا پراسس کرانے کے لئے
نیز دوبئی، مسقط، کویت،، بحرین اور دیگر ممالک کے ورک
ویزے پروٹیکٹر کروانے کے لئے ہماری خدمات حاصل کریں۔
گورنمنٹ لائسنس نمبر LHR 1559 ٹوبہ ٹیک سنگھ
انٹرنیشنل
العروج
اوورسیز ایمپلائمنٹ پروموٹرز
046-2510559-2511559, 046-2512559-2515520
0334-6289958-0300-6567559-Fax:92-46-2510559
Email:alarooj@hotmail.com www.alaroojinternational.com

raise your voice above the voice of the Prophet (S.A.W) And mind you the audience were not me or you but were the four caliphs, migrants of (muhajareen) Makkah(مہاجرین مکہ) and Ansar Madina(انصار مدینہ). Allah says Beware don't raise your voice or else (ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون) all your deeds will go waste and you will not even know. If it is migration, it will go waste, if it is participation in Badr it will go waste, if you have laid down your life, it will go waste. I don't need anything from you. The etiquettes ane to be observed in the Prophet's presence and respect of the Prophet (S.A.W) is more dear to ME.

It is worth pondering that is there any justification for processions of meelad(Birthday celebrationa)? Has Allah changed? Has the Prophethood changed? Has the deen(دین) changed? Nothing has changed, and the rule still applies (لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی) so there is no room for celebrations of meelad and processions. Is this the way of presenting salutations in the exalted court of the Prophet (S.A.W)? Think over it. Forget about the Deobandi, Barelvi differences which are for one day in a year what about the additions that have been made before every "azaan"(اذان). The "salat"(صلوٰة) and "salaam"(سلام) that is read is phonetically wrong, even the words are wrong. It is wrong in terms of religion and world. They address the Prophet (S.A.W) (السلام علیك ایها النبی), but it is mandatory to be with wudhu(وضو), be cut off from the world, praise Allah and after Ruku(رکوع) and Sajda(سجدہ) one qualifies to send salutations upon the Prophet (S.A.W). If someone says salaam on a loud speaker, or with the beat of a drum in a procession it will qualify for admonition (لا ترفعو اصواتکم فوق صوت النبی ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون).

The scholars write (لاتشعرون) means that your good deeds will go waste even if you raised your voice unknowingly. Another interpretation is that your deeds would go waste and you will not even know. So take caution when it comes to that exalted court. There is no room for Melad celebrations and processions. A Prophet is associated with his annunciation and not with birth. A Prophet is born as a prophet but he does not invite people to Allah nor does he have followers. When he is annunciated as a Prophet (AS) he calls people to Allah and has followers. So the order is to send salutations unto the Prophet (S.A.W). Quran reminds us of his annunciation as a great favour unto believers (لقد من الله علی المومنین اذبعث فیهم). Our connection is with the annunciation while the entire universe has a connection with his noble birth. Everyone benefitted from it without discrimination. But when it comes to annunciation the benefits go beyond this world to the Akhirah. It befits a believer to remember Allah's Favour which HE HIMSELF is saying as a favour. Tell me honestly should we be celebrating meelad (Birth) or annunciation?

Did the polytheists of Makkah deny the Prophet (S.A.W) being Muhammad Bin Abdullah and Banu Hashim? But did this knowledge benefit them? The Quran tells us (ینظرون الیك وهم لا یبصرون) (Araaf: 198) that they look at him (S.A.W) but can't see him. All they see in Muhammad Bin Abdullah, they can't see Muhammad Rasool Allah. One who doesn't find Muhammad Rasool Allah has found nothing.

(To be Continued.....)

the second rakat and repeat everything and then sit and read Athayaat (التحیات) and pledge all your worship to ME and when nothing stands between you and methen say (السلام علیك ایها النبی والسلام علینا), salutations unto you (S.A.W) O' Propeht my beloved. After this don't stop here give witness to his messengership say (اشهد ان محمد عبده ورسوله) and don't stop even here say (اللهم صلی علی محمد)and then say (اللهم بارك علی محمد) then only will your salah be complete. Two rakat's are offered while salam is offered four times. This is the way to offer salutations to HIS beloved (S.A.W). Who has ordered to say salutation to this prophet, Now if we look at what is going on roads, beating drums and chanting salams. Allah has taught us how to offer salutations. Now we leave prostration, our dress is not clean, the place is not clean, someone is dancing others are jumping. The celebrations done by the infidels has been taken by us and we call it "Melad"Birth day celebration. What kind of meelad is this I am not talking about any sect or particular school of thought. I am talking about Quran about the etiquettes which Allah has taught us.

Salah is for Allah (وحده لاشریك له) then why talk of creation? The Holy Prophet (S.A.W) is a creation. Hadhrat Ibrahim (AS) is a creation. Not only this the entire creation is mentioned when it is said (السلام علینا) in this(ت), all the believers are counted. It is then taught to say (علی عباد الله الصالحین) that salams be unto all the pious people. This one salam encompasses the universe. Because if you send salutations upon My Prophet (S.A.W) I will forgive all of you, after all it is not a trivial matter to send salutations upon My beloved (S.A.W). It is worth pondering that is shouting slogans the right thing to do?

Hadhrat Yasir (R A) was a salve of the polytheists of Makkah. His wife was also a slave and his children too. He had a son Ammar and a daughter. All four were blessed with faith. Abu Jahal became furious, He said if salves for generations too will accept Isalm then who will listen to us. So he was very cruel to his family. He would tie them up in the alley and beat them the whole day long. By evening they would be in such a bad shape that nobody could offer or drink water to one another. One day they were being beaten up in the alley when the Holy Prophet (S.A.W) came from another alley. The Prophet (S.A.W) saw them and said "be patient O' Yasir's family" (انّ موعد کم الجنة) you have been promised jannah and I am the guarantor. They believed in him so much that Abu Jahal and his atrocities faded away. After so manysacrifices of thirteen years Allah told them to leave their homes. Allah is Omnipotent. HE could have destroyed the infidels but HE told them to leave Makkah. They pleased Allah left their homes or properties until Makkah was taken and no immigrant claimed back his home or property. Rather they offered qasr salahقصر صلوٰۃ(short prayer) in Makkah saying that they were travelers. People of this stature were sitting in the noble court when during the conversation someone might have become casual or raised his voice. At once the revelation came (لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی) Beware! Don't

ETTIQUTTES ANNUNCIATION AND THE OF MESSENGERSHIP

Translated Speech of
His Eminence Ameer Muhammad Akram Awan
Shaikh Silsilah Naqshbandiah Owaisiah
Dar-ul-Irfan
Monthly Ijtimah-
07-March-2010- Remaining from July

O' Allah send your mercy and (blessing) upon the beloved Prophet (S.A.W). Allah sends HIS Mercy constantly. As far as his remembrance is concerned it should not be discontinued for a second. Iman (faith) demands that His (S.A.W) remembrance should be with every breath. Remembering him only one day in a year with drums and noise and then forgeting him for the rest of the year is not what the Quran demands. Rather the Quran demands an incessant provocation of blessings upon the Prophet (S.A.W). How shall we remember Allah? What would be the way of doing that? Five times a day a believer must attend my Court.

Verily salat prayer is prescribed (ayat 103 سورۃ النساء) اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا to the believers at definite times.

With the faraidh obligatory prayers (فرائض) are sunnah(سنت), and non-obligatory(نوافل) prayers. Maghrib is the first prayer salah. With Isha there are non-mokada(غیر مؤکدہ) sunnah then there is witr(وتر), then tahajud (prayer)(تہجد)'s (before dawn non-obligatory prayer)(نوافل) salah. Before sun rise it is time for fajr(فجر), then it is time for Ishraq(اشراق)(after the sun has risen) nawafil(نوافل) non-obligatory prayer then when the sun gets down there are four nawafil to be offered. If someone offers all of these prayers, how many are they?

Allah tells us that after every two racaat(رکعت) sit for Athayaat (التحیات) then say (والصلوٰۃ) then say (والطیبات), and then say salaam (salutations) to the Prophet (S.A.W). So what is the etiquette for offering salutation salaam? The clothes should be clean, the heart and tongue should be clean, should be with ablution, the place be clean and then offer prayer salah. Once you pronounce the takbeer تکبیر (اللہ اکبر) you get disconnected from the entire universe. Whatever goes around you is none of your concern. Now talk to ME, narrate My Praise, promise ME that you will live as My servant and will not ask anyone else for everything. You will seek guidance from ME, read the Quran then go in Ruku(رکوع) before ME and say "O Allah you are great", then go into prostration(سجدہ) and say "O Allah there is no one like you, you are the most exalted." Then offer

the numerous Aulia Allah that shine on the Tasawwuf horizon, there are only a select few that have passed on to such high stations, which when compared to stations Hadhrat Ji-rua was to attain in future, seem like initial milestones. Hadhrat Ji-rua spoke about the day he was initiated for his journey. He said that on that day every great name among the Aulia was present in the Court of the Holy Prophet-saws. Among them were Hadhrat Sayyed Abdul Qadir Jilani-rua, Hadhrat Moin ud Deen Chishti-rua, all the great Masha'ikh of the Silsilah Naqshbandiah Owaisiah and other great saints. Each of them was present with utmost respect at their appointed places according to their rank in that grand audience, and a decree was issued concerning Hadhrat Ji-rua's stations and his Mansab (office). This important event in the history of Tasawwuf took place in 1947.

Which stations did Hadhrat Ji-rua pass through on his journey towards the Nearness of Allah-swt (Qurb-e Ilahi)? This chapter in Hadhrat Ji-rua's biography cannot identify those stations at this stage. It will be dealt with in detail towards the end of the book entitled 'Hayat-e Tayyebah' penned by our present Shaikh Hadhrat Ameer Akram Awan-mza.

In brief however, it may be stated that the Rooh is from the Realm of Command ('Alam-e Amar), and after entering this material world, it needs strength to fly back towards its real home/station. This strength cannot be acquired except through the Beneficence from our Holy Prophet-saws. The greater the Beneficence, the closer it takes a person to Qurb e Ilahi.

Hadhrat Ji-rua initiated his spiritual journey at Langar Makhdoom where the Tawajjuh of Hadhrat Sultan ul Arifeen became the means of attaining this unexpected blessing. By staying for three years under his Shaikh's persistent and direct Tawajjuh he covered the initial stations of Sulook. Thereafter, the great Shaikhs, whose company he received, were instructed to only accompany him to the next station and identify it to him. As far as Tawajjuh was concerned, it came directly from the Holy Prophet-saws himself. Among these saints except Hadhrat Sayyed Lal Shah Hamdani, whose Mazaar he visited, the company of the rest was only spiritual. After Hadhrat Sultan ul Arifeen, he received Beneficence directly from the Holy Prophet-saws through the Owaisiah method.

Let us now turn back the pages of Time and go back to the 11th century Hijri to learn more about Hadhrat Sultan ul Arifeen Khawajah Allah Din Madni-rua.

fierceness and no medicine was effective to bring it down. Hadhrat Ji-rua being an expert Hakeem himself, tried various prescriptions but they were totally ineffective. His whole body burned with fever, the vehemence of which inflamed his skin and its effects lasted throughout his life. For the next 19 days he was unable to eat and could only manage a few sips of aniseed (Saunf) water and was in a constant state of unconsciousness except at prayer times when he would regain consciousness. His wife would help to lift him on to a prayer mat next to his bed. With great effort he could offer the Fardh Salah only.

In this condition of extreme fever, he sent Qazi Ji-rua to spiritually inquire from the Masha'ikh (The past Shaikhs of the Silsilah residing in Barzakh) the reason for his fever, the answer was that he was being made to undergo this suffering to generate the capacity to travel on to the Higher Stations (Manzil-e Bala). Finally, when the fever left him suddenly, he was shown an Ocean of Light (Noor) in which he dived and when he emerged he was thrown upwards which initiated his journey into the Higher Stations. Once, after mentioning this illness he said, 'The senior Ahbab should remain firm like mountains to benefit others, just as many have benefitted from me.'

It is often seen among the Aulia that before gaining admittance to a higher station they are made to undergo difficulties and ailments. According to a saying of the Holy Prophet-saws every difficulty that a Believer undergoes serves to elevate his stations, and these stations of the Path, are various stages of spiritual progress, which have been identified and named by adept masters. Hadhrat Ji-rua's severe suffering was a Mujahidah (effort/exertion) to strengthen his Rooh and prepared him for his journey to Higher Stations.

Divine Lights (Anwaraat, pl of Noor) while granting peace to the Qalb, and lustre and polish to the Rooh, also sometimes prove to be too strong for the seeker to absorb into his body. We have the example of the Mount Toor which burnt to cinders at the Manifestation of Allah's Noor. The material body also is prone to the same effect. If the guidance of an accomplished Shaikh is missing, the intensity of these Lights can cause weak people to lose their senses; they cut off and become unaware of the world around them and are happy to live only in the proximity of Allah's Love. However, those brave persons who may have the spiritual ability to absorb these Lights but their bodies do not possess the same strength as their Rooh, cannot remain unaffected by the intensity and heat of these Lights.

The beginning of Hadhrat Ji-rua's ascent towards the Manazil-e Bala (Higher Stations), which are very rare among the Aulia, was an extremely important event in the history of Tasawwuf. . Among

HAYAT-E TAYYEBAH

The Longing Traveller

Chapter 5- Remaining Part

After some time, the stations of Sulook that needed identification were beyond the station of Hadhrat Lal Shah Hamdani-rua, and this responsibility was handed over to Hadhrat Gauth Bahah ul Haq-rua. The duty for the next stage of Hadhrat Ji-rua's progress was assumed by Hadhrat Sayyed Abdul Qadir Jilani-rua. Hadhrat Ji-rua would state that although these great saints were assigned the duty of identifying various spiritual stations, Tawajjuh (attention) was given to him directly by the Holy Prophet-saws, himself. The result of this Tawajjuh was that his enlightened Rooh could cover distances of centuries in just one glance!

On reaching the station of 'Maqam-e Radha' (The Station of His Pleasure), there was no further need of intermediaries and hence-on his spiritual journey commenced directly under the Tawajjuh of the Holy Prophet-saws and he remained under this Tawajjuh till the time he started receiving special Attention from Allah-swt.

Hadhrat Ji-rua while explaining these stages of Sulook said that, after reaching Maqam-e Radha', a seeker no longer needs the Tawajjuh of a Shaikh - and - Faidh (Beneficence) is received in a similar manner as received by a Prophet ; the difference being that the follower of a Prophet gets it through his connection with his Prophet.

Neither effort nor endeavour can this Honour achieve,
Unless bestowed by the Gracious Lord Himself.

Travelling on the spiritual Path, the more he progressed in Qurb-e Ilahi (Divine Nearness), the greater became the speed of his Rooh.

Severe Ailment

As Hadhrat Ji-rua progressed on Sulook he came to a station, passing through which caused him prolonged ailment. Explaining the details he said that this happened during the time of Partition which sets it in 1947. In a recorded conversation Hadhrat Ji-rua states that in 1947 he took his first student Qazi Ji-rua and two others to Langar Makhdoom to present them to Hadhrat Sultan al Arifeen-rua. When he returned to Chakrala, he suffered from an extremely high temperature which did not abate for nine days. The fever left him temporarily but after three days returned with all its

He indeed has attained bliss who has cleansed himself. And who remembers the name of his Rabb. And then prays.

MONTHLY

August 2010

Al-Murshid

مَاعَمِلَ اٰدَمِیٌّ عَمَلًا اَنْجٰی لَہٗ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْ ذِکْرِ اللّٰہِ

No other action of any man is greater than the zikr of Allah for his salvation against the torment of the grave.

Abstain from those people for whom deen is taken in a frivolous and unimportant manner.

Ameer Muhammad Akram Awan

MONTHLY AL-MURSHID PS/CPL # 15
17-AWASIA SOCIETY-COLLEGE ROAD, TOWN SHIP LAHORE